بسم الله الرحمن الرحيم

نوائے رومی

مثنوی معنوی کے منتخب حصوں کا منظوم اُردو ترجمہ

محمد یونس سیٹھی وفا

اپنے والدِ گرامی

حاجی حافظ محمد ایوب سیٹھی

اور

والدہ محترمہ کے نام

جن کی شفقت اور تربیت نے مجھے

جینا سکھایا

جلد اول

پیش لفظ

الحمدللہ مثنوی مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کا مطالعہ عرصہ دراز سے میرے روزمرہ کے معمولات کا حصہ رہا۔ بچپن سے گھر میں فارسی کے برگزیدہ شعرائے کرام کا تذکرہ اوران کے اشعار سننے کا موقع حاصل رہا اور یوں ان سے ایک گونہ قلبی وابستگی پیدا ہو گئی۔ اسی ربط و تعلق نے مثنوی مولانا روم کو پڑھنے اور سمجھنے کے ذوق وشوق کو ایسی کیفیت میں ڈھال دیا کہ اپنی کم علمی اور کم فہمی کے احساس کے باوجود دل کی گہرائیوں میں یہ ولولہ موجزن ہوا کہ فارسی ادب کی اس شہرۂ آفاق تخلیق کا اُردو میں منظوم ترجمہ کیا جائے۔ یہ آرزو مدتوں سینے میں پرورش پاتی رہی۔ جب بھی کسی محفل میں خمخانۂ رومی سے بادۂ عرفاں کے جام لنڈھائے گئے یا کہیں نوائے نَے نے ہجر وفراق کے درد بکھیرے تو میرے دل میں برسوں کی خوابیدہ تمنا تڑپ اٹھی اور بے ساختہ جی چاہا کہ گلشنِ رومی سے گل چینی کی جائے لیکن زندگی کی مسلسل کشمکش کے باعث مطلوبہ فرصت اور یکسوئی حاصل نہ ہو سکی۔ تاہم ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد میں نے اپنی زندگی بھر کی آرزو کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا فیصلہ کیا تو اس ارادے کو قطبِ دوراں قبلہ سیّد پیر مہر علی شاہ مدظلہ، اور حضرت قبلہ سیّد غلام محی الدین المعروف بابو جی قدس سرہ، سے میرے روحانی تعلق اور قلبی نسبت نے روزافزوں تقویت بخشی جو خود بھی پیر رومیؒ کے بڑے عقیدت مند اور مداح تھے۔

مثنوی کی ضخامت کے پیشِ نظر یہ طے کیا کہ مرحلہ وار منتخب حصوں کا ترجمہ کیا جائے۔ چونکہ مثنوی کا ہر شعر بجائے خود علم وعرفاں کا بحرِ ذخار ہے اس لیے ایسی صورت میں سے انتخاب ایک دشوار عمل تھا چنانچہ میں نے مختلف ابواب اور حکایات میں سے جابجا ایک ہی موضوع پر جو اشعار موجود تھے ترجمہ کے لیے منتخب کیے اور نفسِ مضمون کے اعتبار سے انہیں مناسب عنوانات دیئے مثلاً مثنوی کے ابتدائی اشعار کو جو نَے (بانسری) کی روداد سے متعلق ہیں نوائے نَے کا عنوان دیا اور جہد و توکل کے بارے میں اشعار کو جہد و توکل کے عنوان سے شامل کیا۔ بہرنوع زیرِ نظر انتخاب میں کئی عنوانات وہی ہیں جو اصل نسخہ میں درج ہیں۔

فارسی ادب کا ایک اپنا جداگانہ مزاج ہے اور اسے اُردو میں منتقل کرنا چنداں آسان کام نہیں

تاہم چونکہ دونوں زبانوں میں اکثر الفاظ اور تراکیب مشترک ہیں اس لیے ترجمہ کرنے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی۔ لیکن مثنوی مولانا رومؒ کا ترجمہ اس لحاظ سے خاصا مشکل ہے کہ اس کے اشعار کی فکری گہرائی اور روحانی گیرائی کو بطور کلّی منعکس کرنا دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ مثنوی میں مولانا رومؒ نے نہایت مختصر الفاظ میں اشارۃً اور کنایۃً نہایت نازک اور دقیق مسائل اور عارفانہ اسرار و رموز بیان کیے ہیں۔ جنہیں شعر کے مرکزی خیال کو متاثر کیے بغیر اردو کے قالب میں ڈھالنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ میرے خیال میں مثنوی میں شعری حسن سے زیادہ نفسِ مضمون کو اہمیت حاصل ہے اس لیے مولانا رومؒ مثنوی کے ذریعے اسلام کا ابدی پیغام عوام الناس تک پہنچانا چاہتے تھے لہٰذا میں نے ترجمہ کرتے وقت اس امر کو ملحوظِ خاطر رکھا کہ شعر کی معنویت شعریت کی اور شعریت معنویت کی نذر نہ ہو جائے۔ میں نے حتی المقدور ان دونوں لوازمات میں ایک گونہ توازن برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے تا کہ شعر کا اصل مفہوم بھی ادا ہو جائے اور شعری حسن بھی متاثر نہ ہو۔ اس کوشش میں مجھے کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اس کا اندازہ تو پڑھنے والے ہی لگا سکتے ہیں۔ بہر حال میرا مقصد یہ تھا کہ فارسی زبان سے نا آشنا قاری مولانا رومؒ کے اس عظیم اور نادر روزگار شاہکار کے مندرجات سے مستفیض ہوں اور اپنے ثقافتی ورثے سے ہمارا شکستہ رشتہ دوبارہ پیوستہ ہو۔

اس کتاب کی طباعت اور اشاعت کے سلسلے میں مجھے بعض نہایت مخلص احباب کا تعاون حاصل رہا جن میں سرِفہرست جناب مظہر الاسلام صاحب ہیں جنہوں نے انتہائی محبت و خلوص کے ساتھ ہر مرحلہ پر اپنی ماہرانہ رائے اور مشورہ سے رہنمائی کی۔ مَیں جناب طارق نعیم صاحب کا بھی احسان مند ہوں کہ انہوں نے کتابت شدہ مسودہ پر نظرِ ثانی کی۔ اسی طرح محبوب احمد صاحب منیجر پرنٹ سٹائل اسلام آباد بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں جن کی نگرانی میں یہ کتاب شائع ہوئی۔ اور میں قسور علی خاموشؔ صاحب کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے بڑی مستعدی، مہارت اور کمالِ فن سے کتابت کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ آمین!

مسافرِ چند روزہ
محمد یونس سیٹھی وفاؔ

فہرست

1-	مولانا روم	17
2-	نوائے نے	47
3-	دنیا و عقبیٰ	53
4-	جہد و توکل	56
5-	صاحبِ وصف	58
6-	اَمرِ رَبّی	60
7-	عقل	62
8-	چشمِ بینا	63
9-	نورِ حق	64
10-	قول	66
11-	خالق و مخلوق	67
12-	التجا	69
13-	حدیث مبارک	71
14-	علم	73
15-	قادرِ مطلق ۔ کارساز	74
16-	رزقِ حلال	77
17-	نعتِ تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ کہ در انجیل بود	78
18-	قصہ فریاد رسیدن رسول اللہ کاروانِ عرب را	80

-19	دعائے آدم	88
-20	مناجات	91
-21	جہانِ عمل	94
-22	نفس	96
-23	رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر کی تفسیر	98
-24	مردِ کامل	101
-25	سبب و مسبب	103
-26	اسرارِ عشق	106
-27	چشمِ گریاں	108
-28	تفسیر "ماشاءاللہ کان مالم یشالم یکن"	112
-29	آیت "مرج البحری یلتقیان بینھما برزخ لایبغیان" کے معانی ۔	115
-30	دیدۂ دل	121
-31	عرضِ نیاز	123
-32	درد و درماں	126
-33	شیطان کی فتنہ سامانی	128
-34	دُرِّ حقائق	130
-35	حرفِ راز	134
-36	مؤمن کی دُعا کی قبولیت میں تاخیر کا سبب	137
-37	عجز و انکسار	139
-38	اعمالِ نیک	143
-39	طلب	146
-40	حدیث "الصدق طمانیۃ والکذب ریبۃ" کی تشریح	152

-41	هست وبود	157
-42	ربّ رحمان ورحیم	160
-43	ظاہر وباطن	161
-44	ہے وہی حاجت روا	163
-45	سگِ کوئے لیلیٰ	165
-46	بہلول کا اک درویش سے سوال	167
-47	نظر اپنی اپنی	171
-48	مَن وتو	172
-49	اللہ گفتن نیاز مند عین لبیک گفتنِ حق ست	176
-50	محبت کے طفیل	180
-51	دل	182
-52	طلبیدنِ فتح مکہ پیغمبرؐ را جہت دوستی ملکِ دنیا نبود چونکہ فرمود الدنیا جیفتہ وطالبہا کلاب، بلکہ بامرِ خدا بود	185
-53	قصۂ خیو انداختن خصم در روئے امیر المومنین حضرت علیؓ وانداختن حضرت امیر المومنین شمشیر از دست	188
-54	جواب دادن امیر المومنین	192
-55	عشق	195
-56	مضرتِ تعظیم خلق وانگشت نما شدن	197

مولانا رومؒ

مولانا جلال الدین رومیؒ دنیائے تصوف کے ایک بلند و بالا، درخشندہ و تابندہ ستارہ نور ہیں جس سے پھوٹنے والی شعاعوں نے صدیوں سے ذہنوں کو جلا بخشی ہے اور قلب و روح کو سکون و طمانیت سے مالا مال کیا۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کے چشمۂ فیض سے دنیا کے گوشے گوشے میں رنگ و نسل اور مذہب و ملت سے قطعِ نظر لاتعداد انسان فیض یاب ہوئے ہیں۔ آزمائش و ابتلا اور رنج و محن سے بوجھل زندگی اور حالات کی اذیتوں اور کلفتوں سے مجبور انسان نے مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کے اشعار و افکار سے روحانی اطمینان اور عزم و عمل کا درس حاصل کیا ہے۔

مثنوی مولانا رومؒ درحقیقت قرآن پاک اور احادیثِ نبویؐ کا عکسِ جمیل ہے جس میں مولانا رومؒ نے روحِ قرآنِ حکیم اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات و فرمودات اور اعمال و افکار کی تشریح و تفسیر روزمرہ کی زندگی کی امثال کے حوالے سے نہایت مؤثر اور دلفریب انداز میں پیش کی ہے۔

کئی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی مولانا رومؒ کے کلام و پیام کی تازگی اور شگفتگی نہ صرف قائم و دائم ہے بلکہ مشرق و مغرب میں اس کی مقبولیت اور پذیرائی میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کی اثر انگیزی کا یہ عالم ہے کہ کئی مغربی زبانوں کے مستشرقین نے مثنوی کے تراجم اور تفاسیر شائع کی ہیں اور اس شہرۂ آفاق تخلیق کو ایک ابدی منبعِ دانش قرار دیا گیا ہے۔ مثنوی مولانا رومؒ کا پیغام وقت اور زمانہ کی قید سے آزاد ہے اور عہد حاضر کے لیے نہایت حقیقت پسندانہ اور برمحل ہے کیونکہ اس کا تعلق براہِ راست اُس حقیقی انسان سے ہے جو ہم سب کے اندر ہمیشہ سے موجود ہے اور رہے گا۔ تاہم تہذیبِ نو کی گوناں گوں فتنہ سامانیوں نے اس انسان کو خود فراموشی میں مبتلا کر کے اپنے اصل سے دور کر دیا ہے۔ مولانا رومؒ کی مثنوی اس انسان کو اپنے تئیں از سر نو دریافت کرنے اور اپنے اصل کی جستجو میں سرگرمِ عمل ہونے کی نہ صرف ترغیب دیتی ہے بلکہ اس کی رہنمائی بھی کرتی ہے۔

مولانا رومؒ ایک عالی مرتبہ عالم دین اور صوفی باصفا تھے وہ جہانِ تصوف کے متقدمین کی تعلیمات وتصنیفات اور تجربات ومکاشفات کے اسرار ورموز سے بطورِ کلی بہرہ ور اور آگاہ تھے۔ اس گہری وابستگی کے ساتھ ساتھ ان کی اپنی عبودیت اور روحانی فضیلت نے انہیں اس ارفع واعلیٰ مقام پر پہنچا دیا تھا جہاں ان کی شخصیت عہد رفتہ کے صوفیائے کرام کی اُن تمام خصوصیات کا مجموعہ ومخزن نظر آتی ہے جوان اکابرین کی وجہ امتیاز وحرمت تھیں۔ درحقیقت مولانا رومؒ کی ذات مختلف ادوار میں عالمِ اسلام کے متعدد روحانی سرچشموں کا نکتۂ اتصال رہی ہے۔ انہوں نے عالم تصوف کی تمام اقدار و روایات اور تجلّیات کو اپنی زندگی میں اس طرح سمو رکھا تھا کہ ان کے دیوان اور مثنوی میں عہد رفتہ کے اولیاء وصوفیاء بالخصوص بایزید بسطامیؒ، منصور حلاجؒ، فریدالدین عطارؒ، معروف کرخیؒ اور ابوالحسن الخرقانی کا فکر وفلسفہ اس حسن وخوبی سے جھلکتا ہے کہ قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ عالم اسلام کی یہ بلند مرتبہ شخصیات مولانا رومؒ کے توسّط سے کارزارِ حیات میں از سرِ نو سرگرم عمل ہو گئیں ہیں۔ تعلیماتِ اسلامی اور تصوف کے حوالے سے مولانا رومؒ کے اشعار میں ابن عربی کے نظریات کی گہرائی اور گیرائی اور فلسفہ وحدت الوجود کا اثر بھی نمایاں نظر آتا ہے۔

مولانا رومؒ نے سلسلۂ تصوف اور منزلِ سلوک کی راہ میں اپنے افکار سے ایسا چراغ روشن کیا ہے جس کی ضیاپاشیوں سے کامل وناقص، عاقل وجاہل، شاہ وگدا، خورد وکلاں، پیر وجواں اور مرد وزن سبھی اپنی اپنی استطاعت کے مطابق فیضیاب ہوئے ہیں اور سدا ہوتے رہیں گے۔ مولانا کے کلام میں شریعت وطریقت، حقیقت ومعرفت، حق وصداقت، حکمت وفراست اور روحانیت وجاذبیت کی ایسی کیفیات موجزن ہیں جن کی ابدیت نے ہر کس وناکس کو متاثر کیا اور فارسی ادب کے واجب الاحترام و عالی مقام شاعر مولانا جامیؒ نے ان کی ہمہ گیر فضیلت وعظمت کو احاطہ یوں کیا۔

نیست پیغمبر و لے دارد کتاب

نام ونسب:

مولانا جلال الدین رومیؒ کا نام محمد لقب جلال الدین اور سلسلہ نسب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔ محمد صرف مولانا کا ہی نام نہیں ہے بلکہ ان کے والد اور دادا کا نام بھی محمد تھا۔

مولانا رومؒ کے والد ماجد کا لقب بہاؤالدین تھا وہ بلخ کے رہنے والے تھے۔ پورے خراسان میں ایک بلند مرتبہ صاحب علم وفضل بزرگ کی حیثیت سے ان کا بے حد احترام کیا جاتا تھا اوران کے عرفان وعمل اور زہد وتقویٰ کی شہرت دوردور تک پھیلی ہوئی تھی۔ چنانچہ ان کے حلقۂ ارادت میں عوام وخواص سبھی شامل تھے۔ دینی اور علمی مسائل کے لیے ہر طرف سے علماء اور طلباء ان سے رشد وہدایت اور رہنمائی حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوتے تھے۔ آپ مختلف معاملات میں فتوے بھی صادر فرماتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ صبح سے دوپہر تک علوم درسیہ کا درس دیتے تھے اور ظہر کے بعد حقائق واسرار بیان کرتے تھے البتہ پیر اور جمعہ کے ایام وعظ کے لیے مخصوص تھے۔

وہ سلسلۂ خوارزمیہ کا دورِ حکومت تھا اور محمد خوارزم شاہ برسرِ اقتدار تھا وہ شیخ بہاؤ الدین کے معتقدین میں سے تھا اور اکثر وبیشتر ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ بسا اوقات امام فخرالدین رازی جو خوارزم شاہ کے مقرّبِ خاص تھے ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔

شیخ بہاؤالدین کی روز افزوں مقبولیت اور خوارزم کی ان سے بڑھتی ہوئی عقیدت دربار شاہی کے امراء اور علما کو کھٹکنے لگی یہاں تک کہ بالآخر وہ خوارزم کے دل میں بھی شکوک وشبہات پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ شیخ بہاؤالدین نے بدلے ہوئے حالات کو محسوس کرتے ہوئے ۶۱۰ھ میں ترکِ وطن کا فیصلہ کیا اور نیشاپور چلے گئے۔ بعض مؤرخین کے مطابق خوارزم کے رویہ میں تبدیلی کے محرک امام فخرالدین رازی تھے۔ جو شیخ بہاؤالدین سے کئی بنیادی مسائل پر گہرے اختلافات رکھتے تھے تاہم یہ روایت کچھ تبصرہ نگاروں کے نزدیک اس لیے قابل قبول نہیں کہ امام رازی شیخ بہاؤالدین کے ترکِ وطن سے دوتین سال پیشتر وفات پا چکے تھے۔ بہرنوع شیخ بہاؤالدین کی روانگی کا سن کر خوارزم کو بہت افسوس ہوا اور اُس نے حاضر ہوکر بہت منت سماجت کی لیکن شیخ صاحب نے اپنا ارادہ نہ بدلا اور تقریباً تین سو مریدوں کے ہمراہ نیشاپور کے لیے روانہ ہوگئے۔ دورانِ سفر جگہ جگہ رؤساء واُمراء اور عوام آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے رہے۔ نیشاپور پہنچے تو خواجہ فریدالدین عطار سے ملاقات ہوئی۔ اس وقت مولانا رومؒ کی عمر تقریباً چھ برس کی تھی (گو بقول ڈاکٹر افضل اقبال مولانا رومؒ اس وقت تقریباً ۱۲ برس کے تھے۔) خواجہ صاحب نے مولانا رومؒ کو دیکھا تو شیخ بہاؤالدین سے مخاطب ہوئے اور

فرمایا کہ "اس جوہرِ قابل سے غافل نہ ہونا" اور یہ کہہ کر اپنی مثنوی "اسرار نامہ" کا ایک نسخہ مولانا کو مطالعہ کیلئے عنایت کیا۔

نیشاپور میں کچھ عرصہ قیام کے بعد شیخ بہاؤالدین بغداد آ گئے اور یہاں ایک مدت تک قیام پذیر رہے۔ یہاں شہر اور گردونواح کی کئی سرکردہ شخصیات اور نامور علماء ملاقات کے لیے حاضر ہو کر ان سے دینی اور علمی موضوعات پر معارف و حقائق کی روشنی حاصل کرتے۔ اتفاق سے انہی دنوں بادشاہِ روم کیقباد کی طرف سے بھیجے ہوئے ایک وفد کے ارکان نے بھی شیخ بہاؤالدین کے درس میں شرکت کی اور اس قدر متاثر ہوئے کہ اُن کے حلقۂ ارادت میں شمولیت اختیار کر لی۔ روم پہنچ کر انہوں نے کیقباد سے شیخ بہاؤالدین کا تذکرہ کیا تو اُس کے دل میں شیخ صاحب سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا اور پھر بعد میں وہ ان کے مریدوں میں شامل ہو گیا۔

شیخ بہاؤالدین بغداد سے حجاز اور حجاز سے شام پہنچے۔ دمشق میں قیام کے دوران میں کئی مشاہیر اور علما و فضلا سے اُن کی ملاقاتیں رہیں۔ شام سے قصدِ سفر کیا تو زنجان آئے اور وہاں سے لارندہ پہنچے۔ یہاں وہ تقریباً سات برس تک قیام پذیر رہے۔ اس وقت مولانا رومؒ کی عمر ۱۸ برس کی تھی شیخ بہاؤالدین نے یہیں مولانا کی شادی کرا دی اور ۶۲۳ھ میں مولانا کے فرزند رشید سلطان ولد پیدا ہوئے۔

لارندہ سے شیخ بہاؤالدین شاہِ روم کیقباد کی درخواست پر قونیہ آ گئے جب کیقباد کو شیخ بہاؤالدین کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے تمام امراء اور ارکانِ سلطنت کے ہمراہ شہر میں داخل ہونے سے پہلے ان کا استقبال کیا اور انہیں نہایت عزت و احترام اور تزک و احتشام کے ساتھ شہر میں لایا۔ شہر کے قریب آ کر کیقباد اپنی سواری سے اتر آیا اور شیخ بہاؤالدین کی سواری کے ہمراہ پیادہ شہر میں داخل ہوا جہاں راستہ کے دونوں طرف ہزاروں لوگ استقبال کے لیے صف آرا تھے۔

شیخ بہاؤالدین اور ان کے اہلِ خانہ کو ایک شاندار گھر میں ٹھہرایا گیا جہاں آسائش و آرام کی تمام ضروریات موجود تھیں۔ کیقباد اکثر شیخ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی صحبت سے کسبِ فیض کرتا۔

شیخ بہاؤالدین نے اپنی حیات کے باقی ایام یہیں بسر کیے اور بروز جمعہ ۱۸ ربیع الثانی ۶۲۸ھ کو اپنے خالقِ حقیقی سے واصل ہوئے۔

مولانا رومؒ

مولانا محمد جلال الدین رومی ۶۰۴ھ میں بلخ میں پیدا ہوئے انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ بہاؤالدین سے حاصل کی۔تاہم علوم دینی کی تحصیل کے لیے سیّد برہان الدین محقق کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔سیّد برہان الدین محقق اس دور کے بڑے نامور اور بلند پایہ عالم وفاضل تھے۔وہ شیخ بہاؤالدین کے مرید اور مقرب خاص تھے۔استاد اور اتالیق کی حیثیت سے انہوں نے مولانا کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی۔مولانا نے اکثر علوم وفنون پر انہیں کے زیرِ سایہ دسترس حاصل کی۔

شیخ بہاؤالدین کی وفات کے بعد ۶۲۹ھ میں مولانا نے مزید تحصیلِ علم وفن کی غرض سے شام میں سکونت اختیار کر لی۔ان دنوں شام میں دمشق اور حلب دونوں شہر علم ودانش کے مرکز اور علما وفضلا کا مسکن تھے اور مدینۃ العلوم کا درجہ رکھتے تھے جہاں متعدد بڑے بڑے مدرسے قائم تھے جن میں نزدودور سے آئے ہوئے طالبانِ علم نامور اور رشید صاحبانِ علم وحکمت سے کسبِ فیض کرتے اور دامنِ مراد بھرتے تھے۔

مولانا پہلے حلب گئے اور وہاں مدرسۂ حلاویہ کے دارالاقامت میں قیام کیا اس مدرسہ میں کمال الدین بن عدیم حلبی درس وتدریس میں مشغول تھے وہ ایک نہایت اعلیٰ درجہ کے محدّث، حافظ، مؤرخ، کاتب، مفتی اور ادیب تھے۔ان کی لکھی ہوئی ''تاریخ حلب'' کا کچھ حصہ اب بھی یورپ میں محفوظ ہے۔مولانا نے مدرسۂ حلاویہ کے علاوہ حلب کے بعض دوسرے مدرسوں میں بھی تعلیم حاصل کی۔ مختلف تذکرہ نگاروں نے تسلیم کیا ہے کہ مولانا کو اُس وقت بھی عربیت، فقہ، حدیث، تفسیر اور معقول پر عبور حاصل تھا اور جب بھی کوئی مشکل مسئلہ آجاتا اور کوئی بھی اس کا خاطر خواہ حل پیش کرنے کے قابل نہ ہوتا تو لوگ مولانا سے رجوع کرتے۔

دمشق میں قیام کے دوران مولانا کی اس عہد کی یکتائے روزگار اور بلند مرتبہ علما وفضلا سے ملاقاتیں رہیں جن میں شیخ محی الدین اکبر، شیخ سعدالدین حموی، شیخ عثمان رومی، شیخ اوحدالدین کرمانی اور

شیخ صدرالدین قونوی کےعلاوہ کئی دوسرے مشاہیر کرام بھی شامل تھے۔ان سے ملاقاتوں اور صحبتوں میں حقائق واسرار کےمختلف پہلوؤں پرتبادلہ خیال کیاجاتا۔

دریں اثنا جب کچھ عرصہ بعد سیّد برہان الدین محقق کواپنے وطن ترمذ میں شیخ بہاؤالدین کے انتقال کی اطلاع ملی تو وہ قونیہ پہنچے۔اس وقت مولانا لارندہ میں تھے۔اپنے استاداوراتالیق کی قونیہ میں آمد کی خبر ملتے ہی قونیہ پہنچ گئے۔استادوشاگرد انتہائی خلوص ومحبت سے بغل گیر ہوئے اور کافی دیر تک دونوں پرایک گونہ وارفتگی کی کیفیت طاری رہی۔بعد میں سیّد برہان الدین نے جب مولانا سے مختلف دینی امور پر گفتگو کی اورانہیں تمام علوم میں کامل پایا تو فرمایا کہ علمِ باطنی رہ گیا ہے اور یہ تمہارے والد ماجد کی امانت ہے جو میں تمہیں دینا چاہتا ہوں۔چنانچہ چند سال وہیں قیام کیا۔مولانا نے انہی سے علوم لدُنّی،حکمتِ الہامی اورطریقت وسلوک کےاسرارورموز کی معرفت حاصل کی۔بعض تذکرہ نگاروں کےمطابق مولانا اُسی زمانہ میں ان کے مرید ہوگئے تھے۔جس کی تصدیق "مناقب العارفین" سے بھی ہوتی ہے۔چنانچہ مثنوی میں مولانا جابجا سیّد برہان الدین محقق کا ذکر اسی عزت واحترام اورمحبت ونیاز سے کرتے ہیں جس طرح ایک مخلص مرید اپنے مرشد کا کرتا ہے۔اس دور میں مولانا پرظاہری علوم کا رنگ غالب تھا۔درس وتدریس میں مصروف رہتے۔فتوے صادرفرماتے۔وعظ کی مجالس ہوتیں تاہم سماع سے سخت احترازکرتے۔

اخلاق وعادات:

مولانا جب تک تصوف کے دائرے میں نہیں آئے ان کی زندگی عالمانہ جاہ وجلال کی شان رکھتی تھی۔امراءاورسلاطین کےدربار سے بھی انہیں تعلق تھا لیکن سلوک میں داخل ہونے کےساتھ ہی یہ حالت بدل گئی۔مختلف تذکرہ نگاروں کےمطابق (جیسا کہ اکثر ذکرکیاجاچکا ہے)۔مولانا کی صوفیانہ زندگی کا آغاز شمس الدین تبریزؒ سے ملاقات کے بعد ہوا۔درس وتدریس،افتاءاورافادہ کا سلسلہ جاری رہا لیکن وہ گذشتہ زندگی کی محض ایک یادگارتھی ورنہ زیادہ تر تصوف کے نشے میں سرشار رہے۔

ریاضت اورمجاہدہ ان کی زندگی کا معمول بن گیا۔سپہ سالار جوبرسوں مولانا کےساتھ رہے لکھتے ہیں کہ "میں نے کبھی ان کوشب خوابی کےلباس میں نہیں دیکھا۔بچھونا اورتکیہ کبھی پاس نہیں رکھتے

تھے اور لیٹنے سے بھی پرہیز کرتے تھے ۔ اگر کبھی نیند غالب آتی تو بیٹھے بیٹھے ہی سو جاتے ۔''

اکثر و بیشتر روزہ سے ہوتے بلکہ بعض معتبر روایات کے مطابق کئی دن تک کچھ نہ کھاتے ۔ نماز کا وقت آتا تو فوراً قبلہ رو ہو جاتے اور چہرے کا رنگ بدل جاتا ۔ نماز کی ادائیگی میں استغراق کا یہ عالم تھا کہ بقول سپہ سالار بارہا اوّل عشاء کی نیت باندھی اور دو رکعت میں صبح ہو گئی ۔ چنانچہ مولانا نے ایک غزل میں اس کیفیت کا ذکر یوں کیا ہے ۔

بخدا خبر ندارم چو نماز می گذارم
کہ تمام شد رکوعے کہ امام شد فلانے

ایک دفعہ جاڑوں کے دن تھے ۔ مولانا نماز میں اس قدر روئے کہ تمام چہرہ اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی ۔ سردی کی شدت کے باعث آنسو جمع ہو کر یخ ہو گئے ۔ لیکن وہ اسی طرح نماز میں مشغول رہے ۔

مولانا کے مزاج میں بے حد قناعت تھی ۔ اگرچہ سلاطین و امراء نقدی اور دوسرے تحائف آپ کی خدمت میں پیش کرتے تھے لیکن جو کچھ بھی آتا صلاح الدین زرکوب یا حسام الدین چلپی کے حوالے کر دیتے ۔ اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھتے ۔ مستند روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بسا اوقات گھر میں خاصی تنگی ہوتی اور مولانا کے صاحبزادے سلطان ولد اصرار کرتے تو کچھ رکھ لیتے ۔ جس دن گھر میں کھانے کا سامان نہ ہوتا تو خوش ہو کر کہتے آج ہمارے گھر سے درویشی کی خوشبو آ رہی ہے ۔

فیاضی اور ایثار کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی سائل آتا تو جو کچھ پاس ہوتا دے دیتے حتیٰ کہ عبا تک اتار کر اُس کے حوالے کر دیتے ۔

مولانا کے عجز و انکسار، فقر و استغنیٰ اور جذب و مستی کے حوالے سے مختلف تذکروں میں بے شمار ایسے واقعات درج ہیں جن کے مطالعہ سے مولانا کی درویشانہ عظمت کا پتہ چلتا ہے ۔

ایک روز موسم سرما میں حسام الدین چلپی سے ملنے گئے ۔ چونکہ کافی رات ہو چکی تھی اور دروازے بند تھے اس لیے وہیں رُک گئے ۔ برف باری کی وجہ سے تمام جسم برف سے ڈھک گیا لیکن اس خیال سے کہ اہلِ خانہ کو تکلیف نہ ہو دروازہ کھٹکھٹانا یا آواز دینا مناسب نہ سمجھا ۔ صبح ہوئی اور

حاجب نے دروازہ کھولاتو مولانا کو سرتاپا برف پوش دیکھا۔حسام الدین چلپی کو اطلاع دی وہ بھاگتا ہوا آیا اور قدموں میں گر کر زاروقطار رونے لگا۔مولانا نے گلے سے لگالیا اور تسلی دی۔

ایک دفعہ مولانا سماع کی مجلس میں تشریف فرما تھے۔اہلِ محفل اور خود مولانا پر وجد کی سی کیفیت طاری تھی۔ایک شخص عالمِ محویت ومستی میں تڑپتاتو مولانا سے جاکر ٹکراتا۔چند دفعہ یہی اتفاق ہواتو معتقدین نے اس کو بزورمولانا کے پاس سے ہٹا کر دور بٹھادیا۔مولانا نے قدرے ناراضگی سے فرمایا"شراب اس نے پی ہے اور بدمستی تم کرتے ہو۔"

ایک بار مسجد میں جمعہ کے دن وعظ کی مجلس تھی۔تمام امراءاور صلحاء حاضر تھے۔مولانا نے قرآن مجید کے نکات اور دقائق بیان کرنا شروع کئے۔ہرطرف سے بےاختیار سبحان اللہ اور داد وتحسین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ان دنوں ایسی مجالس کا طریقہ کار یوں تھا کہ قاری قرآن حکیم کی چند آیتیں تلاوت کرتا تھا اور واعظ ان آیات کی تفسیر بیان کرتا تھا۔مجمع میں ایک فقیہ بھی تشریف فرما تھے۔انہیں مولانا سے حسد پیدا ہوا۔چنانچہ اُٹھے اور کہا کہ ایسی مجالس میں آیتیں پہلے سے مقرر کرلی جاتی ہیں لہٰذا ان کی تفسیر بیان کرنا چنداں مشکل کام نہیں مولانا نے فرمایا آپ کوئی سی سورۃ پڑھیے میں اس کی تفسیر بیان کروں گا۔فقیہ نے والضحٰی تلاوت کی۔مولانا نے اس سورۃ کے نکات ودقائق بیان کرنا شروع کئے تو صرف "والضحٰی" کے "واؤ" کے متعلق اس قدر شرح وبسط سے بیان کیا کہ شام ہوگئی۔تمام مجلس پر ایک گونہ وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔فقیہ نہ صرف بے حد شرمسار ہوئے بلکہ وجد کی حالت میں اپنے کپڑوں کو بھی پارہ پارہ کرڈالا اور مولانا کے قدموں میں گر پڑے۔تذکرہ نگاروں کے مطابق اس جلسہ کے بعد مولانا نے مواعظ کا سلسلہ منقطع کردیا۔فرمایا کرتے تھے کہ جس قدر میری شہرت بڑھتی جاتی ہے میں اُسی قدر مشکلات میں مبتلا ہوتا جاتا ہوں لیکن کیا کروں کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔

"مناقب العارفین" میں لکھا ہے کہ مولانا کو اوقاف کی مد سے پندرہ دینار ماہوار وظیفہ ملتا تھا لیکن چونکہ مولانا مفت خوری کو قطعاً ناپسند کرتے تھے اس لئے اس وظیفہ کے عوض فتوے لکھا کرتے تھے اور مریدوں کو تاکید اًفرمارکھا تھا کہ جب اور جس وقت بھی کوئی فتویٰ لائے تو مجھے فوراً مطلع کیا جائے۔ چنانچہ کئی بار عالمِ جذب وکیف میں فتوے صادر فرمائے۔ایک دفعہ اِسی حالت میں فتویٰ لکھا تو شمس الدین ماردینی نے اس پر کچھ اعتراض کیا۔مولانا نے سُناتو کہلا بھیجا کہ فلاں کتاب کے فلاں صفحہ پر یہ فتویٰ

موجود ہے۔چنانچہ جب لوگوں نے تحقیق کی تو مولانا نے جو کچھ کہا تھا وہ درست ثابت ہوا۔

مولانا کے معتقدین میں سے ایک صاحب نے کہا شیخ صدرالدین کو ہزاروں دینار کا وظیفہ ملتا ہے اور آپ کو کل پندرہ دینار ملتے ہیں۔مولانا نے کہا "شیخ کے مصارف بھی بہت ہیں اور حق تو یہ ہے کہ میرے پندرہ دینار بھی انہی کو ملنا چاہئیں"

مولانا پر اکثر استغراق ، وجد اور محویت کی حالت طاری رہتی تھی بیٹھے بیٹھے یکبارگی اُٹھ کھڑے ہوتے اور رقص کرنے لگتے۔کبھی کبھی چپکے سے کسی طرف کو نکل جاتے اور کئی کئی روز تک غائب رہتے۔معتقدین تلاش بسیار کے بعد کسی ویرانے سے گھر واپس لاتے۔سماع کی مجالس میں جب وجد کا عالم طاری ہوتا تو دن رات اُسی حالت میں گذر جاتے۔کبھی راہ چلتے کسی طرف سے کوئی وجد آور آواز آتی تو وہیں رُک کر محو رقص ہو جاتے۔تا ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مولانا کی زندگی طریقت و شریعت کا ایک نہایت حسین اور متناسب امتزاج تھی اور مولانا کا یہی حسن مثنوی میں بھی منعکس ہے۔مثنوی کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ مولانا نے نہایت منظم اور باضابطہ کوشش کی ہے کہ شریعت و طریقت میں کسی قسم کی مغائرت نظر نہ آئے۔انہوں نے ارباب شریعت پر واضح کیا کہ اگر احکام خداوندی کی حقانیت طریقِ کشف سے روشن نہ ہو تو دل کو سکون حاصل نہیں ہوتا۔صوفی کے لیے احکام شریعت پر عمل پیرا ہونا عین راحت ہے اس لیے کہ وہ عشقِ الٰہی میں سرشار ہوتا ہے اور اس پر کسی قسم کا جبر نہیں جب کہ ارباب طریقت پر مولانا نے یہ بات روشن کی کہ تصوف درحقیقت شریعت ہی کا دوسرا نام ہے اور یہ دعویٰ کرنا کسی طرح بھی درست نہیں کہ تزکیۂ قلب حاصل ہو جائے تو تکالیفِ شرعی کی پابندی ضروری نہیں رہتی۔مولانا نے تصوف کے اعلیٰ مقام پر پہنچ کر بھی احکامِ شرعی کو کبھی نظرانداز نہیں ہونے دیا۔اور اس طرح عملاً تصوف کی واضح حد بندی کر دی۔جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ طریقت یا تصوف یہ ہے کہ انسان تہِ قلب سے احکامِ شرعی کی حقانیت اور صداقت کا احساس کرے۔بہ الفاظِ دیگر تصوف میں تمام وظائفِ شرعی کا ادا کرنا عشقِ الٰہی کا نتیجہ ہے اور صوفی قرب و معرفتِ خداوندی کے باعث دل کی گہرائیوں سے احکامِ شرعی کی رمزِ حقیقی کو محسوس کرتا ہے۔تا ہم اگر عالمِ استغراق میں تکلیفاتِ شرعیہ کی پابندی نہ ہو سکے تو اس کی تشریح و توضیح یوں فرمائی ہے۔

موسیا! آداب داناں دیگر اند　　سوختہ جان و رواناں دیگر اند
خوں شہیداں را ز آب اولیٰ ترست　　ایں گنہ از صد ثواب اولیٰ ترست
درمیانِ کعبہ رسمِ قبلہ نیست　　غم چہ ار غواص را پا چیلہ نیست
عاشقاں را ہر زماں سو زید نیست　　بردہِ ویراں خراج و عشر نیست

ان اشعار کا حاصل یہ ہے کہ خون ناپاک چیز ہے لیکن شہداء کا خون ناپاک نہیں سمجھا جاتا اور اسی وجہ سے انہیں غسل بھی نہیں دیا جاتا۔ اسی طرح خانہ کعبہ میں پہنچ کر قبلہ کی پابندی بھی اٹھ جاتی ہے (آپ کسی طرف سے بھی قبلہ رو ہو کر نماز ادا کر سکتے ہیں) اور غوطہ خور جب دریا میں داخل ہوتا ہے تو اُسے چپل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لہٰذا وارفتگانِ محبت جب مقام محویت اور قرب میں پہنچ جاتے ہیں تو ان پر ظاہری آداب کی پابندی ضروری نہیں رہتی۔

مولانا اور شمس تبریز:

مولانا روم کی زندگی کا دوسرا دور شمس تبریز سے ملاقات کے بعد شروع ہوتا ہے۔ مولانا اور شمس تبریز کی مالاقات کو مولانا کہ زندگی میں جو اہمیت حاصل ہے اس سے کسی کو انکار نہیں تاہم مقامِ حیرت ہے کہ اس اہم ترین واقعہ کو تذکروں اور تاریخی کتب میں مختلف صورتوں میں پیش کیا گیا ہے "جواہر مفئیہ" جسے علمائے کرام کے حالات کے بارے میں سب سے پہلی اور مستند کتاب قرار دیا جاتا ہے اس میں درج ہے:

"ایک دن مولانا اپنے شاگردوں کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ چاروں طرف کتابوں کے انبار لگے تھے کہ اچانک شمس تبریز قلندرانہ انداز میں آئے اور سلام کر کے بیٹھے اور کتابوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ "یہ کیا ہے"؟ مولانا نے جواب دیا کہ "یہ وہ چیز ہے جس سے تم واقف نہیں۔" مولانا کا یہ کہنا تھا کہ اچانک کتابوں میں آگ لگ گئی۔ یہ دیکھ کر مولانا نے دریافت کیا "یہ کیا ہے"؟ شمس تبریز نے فرمایا "یہ وہ چیز ہے جس سے تم واقف نہیں" اور یہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے اس واقعہ سے مولانا اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی زندگی کا رخ ہی بدل گیا۔ گھربار، درس وتدریس اور معاملاتِ زندگی کو ترک کر کے صحرا نوردی شروع کر دی۔ ملک کے گوشے گوشے میں شمس تبریز کو تلاش کیا لیکن وہ کہیں نہ ملے۔ مولانا کے عقیدت منداس صورتِ حال سے سخت پریشان تھے۔ روایت ہے کہ مولانا کے کسی مرید نے شمس تبریز

کوقتل کردیا تھا"۔

بعض تاریخ نگاروں کا خیال ہے کہ شمس تبریز کو ان کے مرشد بابا کمال الدین جندی نے حکم دیا تھا کہ روم جاؤ وہاں ایک سوختہ دل ہے اُسے گرما آؤ۔ چنانچہ شمس تبریز گھومتے پھرتے قونیہ پہنچے اور شکر فروشوں کی سرائے میں قیام کیا۔ ایک دن مولانا روم کی سواری بڑے تزک واحتشام سے جا رہی تھی تو شمس تبریز نے روکا اور پوچھا کہ مجاہدہ وریاضت کا کیا مقصد ہے؟ مولانا نے فرمایا "اتباع شریعت"۔ شمس تبریز نے کہا "یہ تو سب جانتے ہیں" مولانا نے جواب دیا "اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے"۔ شمس تبریز بولے "علم کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ تمہیں منزل تک پہنچائے۔" پھر حکیم سنائی کا یہ شعر پڑھا۔

علم کز تو ترا بستاند

جہل زاں علم بہ بود بسیار

(جو علم تجھے تجھ سے نہ لے لے اس علم سے جہل بہت بہتر ہے)

ان جملوں سے مولانا اس قدر متاثر ہوئے کہ اُسی وقت شمس تبریز کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

ایک اور روایت ہے کہ مولانا کسی حوض کے کنارے بیٹھے کتابوں کا مطالعہ کر رہے تھے کہ شمس تبریز آ پہنچے اور مولانا سے دریافت کیا کہ یہ کیسی کتابیں ہیں؟ مولانا نے فرمایا کہ "تمہیں ان کتابوں سے کیا واسطہ؟ یہ سن کر شمس تبریز نے وہ کتابیں اٹھا کر حوض میں پھینک دیں۔ مولانا کو سخت رنج ہوا اور کہا کہ "میاں درویش تم نے ایسی کتابیں ضائع کر دیں جن میں کئی نادر نسخے بھی تھے اور اب ان کا ملنا محال اور مشکل ہے"۔ اس پر شمس تبریز نے وہ کتابیں خشک حالت میں حوض سے نکال کر مولانا کے سامنے رکھ دیں۔ مولانا حیران ہوئے تو شمس تبریز نے کہا "یہ حال کی باتیں ہیں تم صاحب قال ان کو کیا جانو"۔ اس واقعہ نے مولانا کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ شمس تبریز کے ارادتمندوں میں شامل ہو گئے۔

ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ جب وہ قونیہ میں تھا تو وہاں مولانا اور شمس تبریز کی ملاقات کے بارے میں جو روایت عوام میں مشہور تھی اس کے مطابق مولانا اپنے مدرسہ میں درس دے رہے تھے کہ ایک روز ایک شخص حلوہ بیچتا ہوا مدرسہ میں آیا۔ مولانا نے اس سے ایک قاش حلوہ کی لے کر نوش فرمائی۔ حلوہ فروش تو چلا گیا لیکن مولانا پر کچھ ایسی وارفتگی سی طاری ہوئی کہ وہ بے اختیار ہو کر

اٹھے اور کسی انجانی طرف کو نکل گئے۔ برسوں کچھ پتہ نہ چل سکا۔تاہم جب کئی برس بعد واپس آئے تو یہ حالت تھی کہ کسی سے بات چیت نہ کرتے تھے۔ جب بھی کچھ کہتے تو شعر کی صورت میں۔ان کے شاگردوں نے یہ اشعار جمع کر لیے جن سے مثنوی مرتب ہوئی۔''اگرچہ یہ روایت بقول ابن بطوطہ اس زمانہ میں قونیہ میں اکثر بیان کی جاتی تھی تاہم دوسری روایتوں کی نسبت یہ حقیقت حال سے بعید از قیاس نظر آتی ہے۔مولانا اور شمس تبریز کی ملاقات کے بارے میں سپہ سالار جو مولانا کے خاص شاگرد تھے اور چالیس برس تک ان کی خدمت میں رہے جو حال لکھا ہے وہ سادہ، صاف اور زیادہ قرین قیاس ہے۔یہ حال نقل کرنے سے پیشتر مناسب ہوگا کہ شمس تبریز کے بارے میں مختصراً کچھ بیان کر دیا جائے۔

شمس تبریز کا پورا نام شمس الدین بن علی بن ملک مراد تبریزی تھا۔ان کے والد کا نام علاؤالدین تھا جو''کیا''بزرگ کے خاندان سے تھے جو فرقۂ اسماعیلیہ کا امام تھا (دیباچۂ مثنوی نفحات میں لکھا ہے شمس کا''کیا''بزرگ کے خاندان سے کوئی واسطہ نہ تھا۔) لیکن شمس نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا تھا۔انہوں نے تبریز میں علمِ ظاہری کی تحصیل کی۔پھر بابا کمال الدین جندی کے مرید ہوئے۔تجارت سے بسر اوقات ہوتی۔اس غرض سے جہاں پہنچتے کارواں سرائے میں اترتے ہی حجرے کا دروازہ بند کر کے مراقبے میں مصروف ہو جاتے۔ذریعۂ معاش کے لیے حسبِ ضرورت ازار بند بُن لیتے اور انہیں بیچ کر اخراجات پورے کرتے۔ایک دفعہ حق تعالیٰ سے مناجات کرتے ہوئے دُعا مانگی کا الٰہی کوئی ایسا بندۂ خاص مل جائے جو میری صحبت کا متحمل ہو سکے۔عالمِ غیب سے اشارہ ہوا کہ ارضِ روم جاؤ۔چنانچہ اسی وقت سفر پر روانہ ہو گئے اور جب قونیہ پہنچے تو رات کا وقت تھا۔برنج فروشوں کی سرائے میں قیام کیا۔سرائے کے دروازے پر ایک بلند چبوترہ بنا ہوا تھا۔اکثر امراء اور عمائدینِ شہر تفریح کے لیے وہاں مل بیٹھتے تھے۔شمس بھی اُس چبوترہ پر جا کر بیٹھ گئے۔مولانا روم کو ان کی آمد کا علم ہوا تو ملاقات کی غرض سے سرائے برنج فروشاں کو چلے۔راستہ بھر لوگ نہایت عزت واحترام سے قدم بوس ہوتے رہے۔اسی شان ومنزلت سے سرائے کے دروازے پر پہنچے تو انہیں دیکھ کر شمس نے جان لیا کہ یہی وہ شخص ہے جس کی نسبت بشارت ہوئی ہے۔دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو تا دیر زبانِ حال سے باتیں ہوتی رہیں۔شمس نے مولانا سے پوچھا کہ حضرت بایزید بسطامی کے ان دو

واقعات میں تطبیق کیونکر ہو سکتی ہے کہ ایک طرف تو یہ حال تھا کہ تمام عمر اس خیال سے خربوزہ نہیں کھایا کہ معلوم نہیں جناب رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو کس طرح کھایا تھا اور دوسری طرف اپنی نسبت یوں فرماتے ہیں کہ "سبحانی ما اعظم شانی" (یعنی اللہ اکبر میری شان کس قدر بڑی ہے) حالانکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم با ایں ہمہ جلالتِ شان فرمایا کرتے تھے کہ میں دن میں ۷۰ (ستّر) دفعہ استغفار کرتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ بایزیدؒ اگرچہ بہت بڑے پائے کے بزرگ تھے لیکن مقام ولایت میں وہ ایک خاص درجہ پر ٹھہر گئے تھے اور اُس درجہ کی عظمت کے اثر سے ان کی زبان سے ایسے الفاظ ادا ہو جاتے تھے۔ اس کے برعکس جناب رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منازلِ تقرب میں برابر ایک پائے سے دوسرے پائے پر چڑھتے جاتے تھے۔ اس لیے جب بلند پائے پر پہنچتے تو پہلا پایہ اس قدر پست نظر آتا کہ اس سے استغفار کرتے تھے۔

"مناقب العارفین" کے مطابق یہ واقعہ ۶۴۲ھ کا ہے۔ اِس بنیاد پر مولانا کی مسندنشینیٔ فقر کی تاریخ اسی سال سے شروع ہوتی ہے۔ سپہ سالار رقم طراز ہے کہ دونوں بزرگ چھ ماہ تک صلاح الدین زرکوب کے حجرہ میں چلّہ کش رہے۔ تاہم "مناقب العارفین" میں یہ مدت تین ماہ بیان کی گئی ہے۔ مولانا روم کی زندگی میں یہی وہ مرحلہ ہے جب ان کی حالت میں ایک نمایاں تغیر پیدا ہوا۔ اب تک وہ سماع سے احتراز کرتے تھے لیکن اب انہیں سماع کے بغیر چین نہیں آتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور اہم تبدیلی یہ آئی کہ مولانا نے درس وتدریس اور وعظ وپند کے مشاغل بھی ترک کر دیئے اور شبانہ روز شمس تبریز کی خدمت میں مصروف رہنے لگے۔ مولانا کے معمولات میں اس اچانک تبدیلی سے اہلیانِ شہر میں مولانا کے مواعظ اور تعلیم سے محرومی کے احساس نے ایک گونہ شورش کی سی صورت اختیار کرلی۔ لوگوں کو سخت افسوس ہوا اور رنج تھا کہ ایک درویشِ بے سروپا نے مولانا پر ایسا جادو کر دیا ہے کہ ان کے معمولات یکسر بدل گئے ہیں۔ عوام کے علاوہ مولانا کے مریدین اور معتقدین خاص بھی اس صورتِ حال سے برہم تھے اور شمس تبریز کی وہاں موجودگی سے کسی طرح بھی خوش نہ تھے۔ گردوپیش کے کشیدہ ماحول اور خاص وعام کے شدید ردِّ عمل کو دیکھ کر شمس تبریز کو اندیشہ ہوا کہ لوگوں میں یہ برافروختگی کہیں فتنہ انگیزی کا موجب نہ بن جائے چنانچہ ایک روز وہ اچانک گھر سے نکلے اور دمشق چلے گئے۔ مولانا کو

شمس کے جانے کا اس درجہ صدمہ ہوا کہ تمام معمولات سے دست کش ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

یہاں تک کہ مریدانِ خاص بھی شرفِ ملاقات سے محروم ہوئے۔ کچھ مدت بعد شمس نے مولانا کو دمشق سے خط لکھا۔ اِس خط نے مولانا کے دل میں شوقِ ملاقات کی آگ بھڑکائی اور اُن دنوں انہوں نے جو اشعار کہے ان کا لہجہ نہایت غمزدہ اور رقّت آمیز تھا۔ جن حضرات کے روّیہ سے شمس دلآزردہ ہوئے تھے انہیں اپنے کیے پر سخت ندامت ہوئی اور مولانا سے معذرت کے خواستگار ہوئے۔ چنانچہ باہمی مشورہ کے بعد طے پایا کہ ایک وفد دمشق جائے اور شمس کو منا کر لائے۔ سلطان ولد کو اس وفد کا رہنما مقرر کیا گیا۔ مولانا نے شمس کے نام ایک منظوم خط لکھا جس کا ہر شعر غم جدائی اور ذوق دیدار کا عکاس تھا۔

سلطان ولد قافلے کے ساتھ دمشق پہنچے اور تلاش بسیار کے بعد شمس کا پتہ لگانے میں کامیاب ہوئے۔ چنانچہ جب شمس کے حضور پہنچ کر سب آداب بجا لائے اور مولانا کا خط اور نذرانہ پیش کیا تو شمس نے مسکرا کر کہا "اِن خزف ریزوں کی ضرورت نہیں۔ مولانا کا پیام کافی ہے۔" سلطان ولد اور ان کے ساتھی چند روز شمس کے ہاں مہمان رہے اور پھر یہ قافلہ شمس کی قیادت میں دمشق سے روانہ ہوا۔ تمام افراد سواریوں پر تھے۔ لیکن سلطان ولد نے ادب واحترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے شمس کی سواری کے ساتھ قونیہ تک پاپیادہ سفر کیا۔ جب مولانا کو شمس کی آمد کی اطلاع ملی تو تمام ارادتمندوں کے ہمراہ استقبال کی غرض سے بیرون شہر تک آئے اور نہایت عزت واحترام اور تزک واحتشام کے ساتھ انہیں گھر لائے۔ دونوں میں ایک مدّت تک طویل نشستیں اور بڑے ذوق وشوق کی صحبتیں جاری رہیں۔

اِسی دوران حضرت شمس نے کیمیا نامی ایک خاتون سے شادی کر لی۔ مولانا نے اپنے مکان کے بالمقابل ایک خیمہ نصب کرایا جہاں حضرت شمس اپنی اہلیہ کے ہمراہ قیام پذیر ہوئے مولانا کے ایک صاحبزادے علاءالدین جب بھی مولانا سے ملنے آتے تو حضرت شمس کے خیمہ سے ہو کر گذرتے۔ حضرت شمس کو ان کی یہ حرکت ناگوار گذرتی تھی چنانچہ انہیں چند بار منع بھی کیا لیکن وہ باز نہ آئے۔ علاؤالدین نے لوگوں سے حضرت شمس کے اس رویہ کی شکایت کی تو حاسدوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ صورت حال کیونکر قبول کی جا سکتی ہے۔ ایک غیر آئے اور اپنوں کو گھر میں آنے جانے سے منع کرے۔ یہ بات اس شدّت سے پھیلی کہ شمس نے وہاں مزید ٹھہرنا مناسب خیال نہیں کیا اور دل ہی دل میں پختہ عزم کر لیا

کہ اس دفعہ جا کر پھر کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ چنانچہ ایک روز اچانک سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے۔ مولانا کو سخت رنج ہوا۔ شمس کو تلاش کرنے کے لیے کئی آدمی بھجوائے لیکن ان کا کوئی سراغ نہ ملا۔ آخر اپنے معتقدین کے ہمراہ مولانا دمشق پہنچے تا کہ شمس کو منا کر ساتھ لے آئیں لیکن وہاں سے بھی سوائے مایوسی کچھ حاصل نہ ہوا تو قونیہ واپس آ گئے۔

اس واقعہ کے بارے میں سپہ سالار نے جو تقریباً ۴۰ برس مولانا کی خدمت میں رہے صرف اتنا ذکر کیا ہے کہ وہ رنجیدہ ہو کر کسی نامعلوم مقام کی طرف نکل گئے اور پھر ان کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ تاہم "جواہر مضیاء" اور دوسرے تذکروں کے مطابق مولانا کے بعض مریدوں نے اسی زمانہ میں جب شمس تبریز وہاں مقیم تھے حسد کی وجہ سے انہیں قتل کر دیا تھا۔ جب کہ "نفحات الانس" میں درج ہے کہ خود مولانا کے صاحبزادے علاؤالدین جن سے شمس کے تعلقات خاصے کشیدہ تھے۔ اس حرکت کے ذمہ دار ہیں۔ مختلف تذکروں کے مطالعہ سے جو صورت حال سامنے آتی ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ شمس تبریز پہلی بار ۶۴۲ھ میں قونیہ آئے اور مولانا سے ملے۔ اپنے قیام کے دوران انہوں نے مولانا کو طریقت وسلوک سے آشنا کیا۔

۲۔ کچھ مدت بعد عوام کی ناخوشی اور مولانا کے عزیز و اقارب کی رنجیدگی کے باعث قونیہ چھوڑ کر چلے گئے۔

۳۔ ۶۴۴ھ کے لگ بھگ مولانا کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے پھر قونیہ آئے لیکن اس بار عوام اور مولانا کے اقرباء کی ناراضگی پہلے سے بھی زیادہ تھی لہٰذا ۶۴۵ھ میں پھر غائب ہو گئے اور اس کے بعد ان کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شمس تبریز سے ملاقات سے پہلے مولانا کی شاعری کا رنگ جداگانہ تھا۔ ان کے جذبات ان کی طبیعت میں اسی طرح پنہاں تھے جس طرح پتھر میں آگ چھپی ہوتی ہے۔ شمس کی جدائی ایک گونہ چقماق ثابت ہوئی اور ان کے اندر چھپی ہوئی چنگاریاں اشعار کی صورت میں شعلہ افشاں ہوئیں۔

شمس تبریز کی جدائی میں مولانا اکثر و بیشتر بے قرار اور بے تاب رہتے تھے۔ ایک روز اسی وجدانی کیفیت میں گھر سے نکلے۔ راہ میں شیخ صلاح الدین زرکوب کی دکان تھی۔ وہ اس وقت چاندی

کے ورق کوٹ رہے تھے ۔ ہتھوڑی سے پیدا ہونے والی مسحور کن لے اور تال نے کچھ ایسا اثر کیا کہ قدم رک گئے اور ان پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی ۔ شیخ صلاح الدین نے مولانا کی محویت کو دیکھ کر ہاتھ نہ روکا اور ورق کوٹتے رہے ۔ مولانا وجد کے عالم میں کافی دیر تک جھومتے رہے ۔ صلاح الدین زرکوب بھی کچھ دیر بعد کام چھوڑ کر اٹھے اور مولانا سے بغلگیر ہوئے ۔ مولانا نے بے ساختہ یہ شعر پڑھا ۔

یکے گنجے پدید آمد ازیں دُکانِ زرکوبی

زہے صورت زہے معنی زہے خوبی زہے خوبی

(اس زرکوب کی دکان سے ایک خزانہ مل گیا ۔ عجب صورت ہے عجب معنی ہیں عجب مستی ہی مستی ہے ۔)

دونوں بزرگ کیف و مستی کے عالم میں ظہر سے عصر تک اسی وجد انگیز کیفیت میں محو رہے ۔ اور اس کے بعد صلاح الدین زرکوبی پر جوش وجذبہ کی کچھ ایسی صورت طاری ہوئی کہ اپنی ساری دکان لٹا کر مولانا کے ساتھ ہو لیے ۔ صلاح الدین زرکوبی پہلے بھی صاحب حال بزرگ تھے اور سیّد برہان الدین محقق کے مرید تھے ۔ اس طرح وہ مولانا کے ہم استاد تھے ۔ اب دونوں بزرگوں کی طویل صحبتیں اور مجلسیں ہوتی ۔ مولانا کو ان ملاقاتوں سے بے حد سکون حاصل ہوتا تقریباً نو برس تک یہ سلسلہ جاری رہا ۔ ۶۶۲ھ میں جب صلاح الدین زرکوبی کا انتقال ہوا تو مولانا نے اپنے مرید خاص حسام الدین چلپی کو اپنا ہمدم وہمراز بنالیا ۔ مولانا کو ان سے اس درجہ قربت و تعلق خاطر پیدا ہوا کہ اُن کا ذکر کچھ اس انداز سے کرنے لگے جیسے کوئی اپنے پیرومرشد کا ذکر کرتا ہو ۔ اِس ربط و تعلق کے باوجود حسام الدین مولانا کا بے حد احترام کرتے تھے حتیٰ کہ مولانا کے وضو خانہ میں وضو کرنا بھی گستاخی تصور کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ برفباری کے دنوں میں بھی اپنے گھر جا کر وضو کر کے آتے تھے ۔ اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہی حسام الدین ہیں جو مولانا کے مثنوی لکھنے کا باعث ہوئے ۔ چنانچہ مولانا نے ہر دفتر میں کہیں ابتدا میں یا کسی اور موقع پر نہایت محبت وخلوص اور عزت واحترام سے ان کا ذکر کیا ہے ۔

۶۷۲ھ میں قونیہ میں قیامت خیز زلزلہ آیا اور اس کا سلسلہ کم وبیش چالیس دن تک وقفے وقفے سے جاری رہا ۔ لوگ بے حد پریشان اور سراسیمہ تھے آخر مولانا کے پاس آئے اور استدعا کی کہ

دُعا فرمائیں کہ یہ بلائے آسمانی ٹل جائے۔ مولانا نے فرمایا کہ زمین بھوکی ہے اور لقمۂ تر چاہتی ہے جو انشاء اللہ اسے مل جائے گا۔ چند روز بعد مولانا بیمار پڑے۔ شہر کے نامور طبیبوں اور حکیموں نے علاج کیا لیکن کوئی تدبیر سودمند اور پُراثر ثابت نہ ہوئی۔ بلکہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ مولانا کی بیماری کی خبر عام ہوئی تو دور دور سے لوگ مزاج پرسی کے لیے آنے لگے۔ شیخ صدرالدین جو شیخ محی الدین ابن عربی کے تربیت یافتہ اور روم وشام میں مرجع خاص وعام تھے اپنے ارادتمندوں کے ہمراہ مولانا کی احوال پرسی کے لیے تشریف لائے۔ مولانا کو شدید بیماری اور نقاہت کی حالت میں دیکھ کر بہت پریشان ہوئے اور دُعا کی ''خداوند کریم ورحیم آپ کو جلد شفا دے۔'' مولانا نے فرمایا ''شفا آپ کو مبارک ہو مُحب ومحبوب میں صرف ایک پیرہن کا پردہ رہ گیا ہے۔ کیا آپ نہیں چاہتے کہ وہ بھی اُٹھ جائے اور نور نور سے مِل جائے۔'' شیخ صدرالدین یہ جملہ سُن کر رو پڑے اور روتے روتے مولانا سے رخصت ہوئے۔ وہ سمجھ گئے کہ اب مولانا دمِ واپسیں ہے۔ چنانچہ ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ کو مغرب کے وقت مولانا نے سفرِ آخرت اختیار کیا اور سرزمینِ قونیہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گئے۔ مولانا کا مزار آج تک بوسہ گاہِ خلائق اور مرجعِ خاص وعام ہے۔

مولانا کی تصانیف

(۱) فیہ مافیہ

مولانا کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو انہوں نے وقتاً فوقتاً معین الدین پروانہ کو لکھے۔ معین الدین پروانہ قونیہ کے فرمانروا رکن الدین قلیج ارسلان کے حاجب اور دربار کے سیاہ وسفید کے مالک تھے۔ ان کو مولانا سے بے حد عقیدت تھی اور اکثر مولانا کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ ایک روز چند امراء کے ہمراہ پہنچے تو امراء سے طبعی نفرت کی وجہ سے مولانا حجرۂ خاص سے باہر نہ آئے۔ معین الدین کے دل میں خیال آیا کہ امراء تو اُولُو الا مر ہیں اور قرآنِ مجید کے حکم کے مطابق ان کی اطاعت فرض ہے۔ معین الدین کے دل میں یہ خیال گذرا ہی تھا کہ کچھ دیر بعد مولانا تشریف لائے اور دورانِ گفتگو فرمانے لگے کہ ایک دفعہ سلطان محمود غزنوی ملاقات کی غرض سے شیخ ابوالحسن خرقانی کے حضور پہنچا۔ درباریوں نے بڑھ کر شیخ کو سلطان کی آمد کی اطلاع دی لیکن شیخ متوجہ نہ ہوئے۔ حسن میمندی جو سلطان کا وزیر تھا اُس نے شیخ سے عرض کیا کہ حضرت قرآن مجید میں اطیعو اللہ و اطیعو الرسول وَاُولی الامرِ منکم آیا ہے اور سلطان تو اُولُو الامر ہونے کے ساتھ ساتھ عادل اور نیک بھی ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ مجھ تو ابھی اطیعو اللہ سے ہی فرصت نہیں ملی کہ اطیعو الرسول میں مشغول ہوں تو پھر اُولُو الامر کا ذکر ہی کیا۔ یہ سن کر تمام امراء اور معین الدین روتے ہوئے اُٹھ کر چلے گئے۔

مولانا کی یہ کتاب بالکل نایاب تھی لیکن مولانا عبدالماجد دریابادی نے اسے دریافت کیا اور ۱۹۲۸ء میں شائع کیا۔ اس کے بعد اس کا ایک ایرانی ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۲) دیوان

مولانا کی غزلوں کے اس مجموعہ میں پچاس ہزار اشعار ہیں۔ چونکہ اکثر غزلوں کے مقطع میں شمس تبریز کا نام شامل ہے اس لیے عوام اسے شمس تبریز کا دیوان سمجھتے ہیں حتیٰ کہ اس مغالطہ کی بنا پر اس کی

لوح پر دیوان شمس تبریز لکھ دیا جاتا ہے تاہم محققین نے نہایت وضاحت سے لکھا ہے کہ اس دیوان میں شامل تمام غزلیں مولانا کی ہیں۔چنانچہ اکثر مشہور و معروف شعراء نے اس دیوان کی غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں اور مقطع میں یہ تصریح کی ہے کہ یہ غزل مولانا کی غزل کے جواب میں ہے۔

علی حزیں کہتے ہیں:

ایں جوابِ غزلِ مرشدِ روم ست کہ گفت
من بموئے تو خوشم نافۂ تاتار مگیر

اس میں دوسرا مصرع مولانا کا ہے۔دیوان میں پورا شعر اس طرح ہے

من بکوئے تو خوشم خانۂ من ویراں کن
من بموئے تو خوشم نافۂ تاتار مگیر

(۳) مثنوی

مولانا روم کی اسی کتاب نے مولانا کو حیاتِ جاوداں اور شہرتِ دوام عطا کی ہے۔اس کتاب کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی اس قدر بڑھی کہ تمام فارسی تصانیف اس کے مقابلہ میں ہیچ ہو کر رہ گئیں۔مثنوی کے اشعار کی کل تعداد ۲۶۶۶۶ ہے اگر چہ بعض حلقوں کا خیال ہے کہ مولانا نے چھٹا دفتر ناتمام چھوڑ دیا تھا اور فرمایا کہ:

باقیِ ایں گفتہ آید بے زباں
در دلِ ہر کس کہ دارد نورِ جاں

(جس شخص کے دل میں نور ہوگا مثنوی کا باقی حصہ خود بخود اس کے دل میں آجائے گا۔)

لیکن محققین کے مطابق خود مولانا نے ہی کچھ عرصہ بعد دفترِ ششم مکمل کرنے کے بعد دفترِ ہفتم بھی تحریر فرمایا۔شیخ اسماعیل قیصری کو یہ ساتواں دفتر ۸۱۴ھ میں دستیاب ہوا اور انہوں نے تحقیق سے ثابت کیا کہ یہ خود مولانا کا ہی تصنیف کردہ ہے اور شام و روم کے اہلِ علم نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔دفترِ ہفتم کی ابتداء مندرجہ ذیل اشعار سے ہوتی ہے جو اس دعویٰ کی ناقابلِ تردید دلیل ہے کہ دفترِ ہفتم بھی مولانا کا ہی تحریر کردہ ہے۔

اے ضیاالحق حسام الدین فرید

دولتت پائندہ فقرت بر مزید

(اے یکتا ضیاالحق حسام الدین۔تیری دولت ہمیشہ رہے تیرے فقر میں اضافہ ہو۔)

چونکہ از چرخِ ششم کردی گذر

برتر از ایں چرخ، ہفتم کن سفر

(جب کہ تو چھٹے آسمان سے آگے بڑھ گیا ہے۔ساتویں آسمان کی طرف بلندی کا سفر کر۔)

مثنوی کے لغوی معنی ہیں دو والا ۔اصطلاحاً مثنوی اس نظم کو کہا جاتا ہے جس کا ہر شعر ہم قافیہ ہو۔یعنی ہر شعر میں دو قافیے ہوں ۔ایک پہلے مصرع میں ایک دوسرے مصرع میں ۔مولانا کی مثنوی کو مثنویٔ معنوی بھی کہتے ہیں ۔کیونکہ اس میں عالم معنی اور احوالِ باطن کے اسرار و معارف کا تذکرہ ہے۔اگر چہ مسائل تصوف کے بیان میں سلطان ابو سعید ابوالخیر کی رباعیات بھی مشہور ہیں ۔حکیم سنائی رحمتہ اللہ علیہ نے ''حدیقہ'' لکھا جو تصوف کی پہلی منظوم کتاب ہے ۔خواجہ فرید الدین عطار نے بھی تصوف کے موضوع پر کئی مثنویاں تحریر فرمائیں جن میں ''منطق الطیر'' بڑی شہرت اور مقبولیت رکھتی ہے ۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ مولانا روم کی مثنوی کو سب پر فوقیت حاصل ہے ۔

مثنوی کی تصنیف کا سبب مولانا کے مرید حسام الدین چلپی تھے اور اس حقیقت کی طرف مولانا نے دفترِ اوّل کے علاوہ ہر دفتر میں اشارہ کیا ہے ۔دفترِ اوّل ختم ہوا تو حسام الدین چلپی کی بیوی کا انتقال ہوگیا ۔اس حادثہ سے حسام الدین اس قدر متاثر ہوئے کہ دو برس تک افسردہ خاطر اور پریشان حال رہے ۔مولانا بھی اس دوران خاموش رہے اور مثنوی کا کام رکا رہا۔پھر جب حسام الدین نے خود مولانا سے درخواست کی تو مولانا نے مثنوی کے دفترِ دوئم کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

مدّتے ایں مثنوی تاخیر شد

مہلتے بایست تا خوں شیر شد

(ایک مدت تک مثنوی لکھنے میں تاخیر ہوئی ۔کچھ وقت چاہیے کہ خون سے دودھ بنے ۔

چوں ضیاء الحق حسام الدین عناں
باز گردانید زاوجِ آسماں

(جب ضیاء الحق حسام الدین آسمان کی بلندیوں سے واپس آئے)

چوں بمعراجِ حقائق رفتہ بود
بے بہارش غنچہ ہانشگفتہ بود

(چونکہ وہ حقائق کی معرج پر گئے ہوتے تھے اس لیے ان کی بہار کے بغیر غنچہ کھل نہیں سکا۔)

تیسرے دفتر کے شروع میں فرماتے ہیں:

اے ضیاء الحق حسام الدین بیار
ایں سوم دفتر کہ سنت شد سہ بار

(اے ضیاء الحق حسام الدین تیسرا دفتر لا کیوں کہ (وضو میں) اعضاء کو تین مرتبہ دھونے کی سنت ہے۔)

چوتھے دفتر کا آغاز یوں کرتے ہیں:

اے ضیاء الحق حسام الدیں توئی
کہ گذشت ازمہ بنورت مثنوی

(اے ضیاالحق حسام الدین تو ہی ہے جس کے نور کی وجہ سے مثنوی چاند سے بھی روشن تر ہوگئی ہے۔)

پانچویں دفتر کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

شہ حسام الدیں کہ نورِ انجم است
طالبِ آغازِ سفرِ پنجم است

(حسام الدین جو ستاروں کا نور ہے پانچویں کتاب کی ابتدا کا خواہاں ہے۔)

چھٹے دفتر کو اس طرح شروع کرتے ہیں:

اے حیاتِ دل حسام الدیں بسے
میل میجو شد بقسمِ سادسے

(اے میرے دل کی زندگی حسام الدین چھٹی قسم (حصے) کی طرف بہت میلان ہوگیا ہے۔)

اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔دفتر ہفتم بھی مولانا نے خود تحریر فرمایا جس کی ابتداان دو اشعار سے کی جن میں حسام الدین سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں کہ "تو چھٹے آسمان سے آگے بڑھ گیا ہے۔اب ساتویں آسمان کی بلندی کا سفر کر۔" یہ دونوں اشعار ازیں پیش نقل کیے جا چکے ہیں۔

مثنوی کی شہرت ومقبولیت:

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مثنوی مولانا روم کو جس طرح مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی وہ فارسی کی کسی اور کتاب کے حصے میں نہیں آئی "مجمع الفصحا" میں صاحبِ کتاب نے لکھا ہے کہ ایران میں چار کتابیں بیحد مقبول ہیں۔شاہ نامہ،گلستان،مثنوی مولانا روم اور دیوانِ حافظ۔تاہم جب ان چاروں کتابوں کا موازنہ کیا جائے تو مثنوی کو سب سے زیادہ قبولِ عام حاصل ہے۔اس مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ علما وفضلا نے جس قدر توجہ مثنوی پر مبذول کی وہ کسی اور کتاب پر نہیں کی۔چنانچہ یہ فضیلت بھی مثنوی مولانا روم کو حاصل ہے کہ جس قدر شرحیں مثنوی کی تحریر کی گئیں وہ کسی دوسری کتاب کے حصے میں نہیں آئیں۔جن کا مفصل احوال "کشف الظنون" میں درج ہے۔ان میں مولیٰ مصطفیٰ بن شعبان سودی،شیخ اسمٰعیل انقروی،کمال الدین خوارزمی،عبداللہ بن محمد رئیس الکتاب درویش علی،حسن چلپی،علاؤ الدین مصنفک،شیخ عبدالمجید سیواسی اور علائی بن یحییٰ واعظ شیرازی کی شرحیں سرِفہرست ہیں۔البتہ "کشف الظنون" کے بعد بھی کئی سرکردہ علما وفضلا اور دانشوروں نے مثنوی مولانا روم کی شرحیں لکھیں جن کے مطالعہ سے مثنوی میں جو اسرار ورموز بیان کیے گئے ہیں ان کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور یقیناً جاری رہے گا اس لیے فارسی میں لکھی گئی نظم و نثر کی کسی کتاب میں ایسے دقیق،نازک اور غور طلب مسائل واسرار نہیں ملتے جو مثنوی میں موجود ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس قسم کے نکات ودقائق عربی زبان کی تصنیفات میں بھی مشکل سے نظر آتے ہیں

یہی وجہ ہے کہ اربابِ علم وفن نے مثنوی کی طرف دوسری کتابوں کی نسبت زیادہ توجہ دی۔

مضامینِ فلسفہ وسائنس:

مولانا نے مثنوی میں طریقت وشریعت، تصوف وسلوک کے مسائل کونہایت عام فہم انداز میں زندگی کے عملی پہلوؤں کے حوالے سے بیان فرمایا ہے۔ جابجا آیاتِ قرآنی اوراحادیثِ نبوی کی تشریح وتوضیح کی روشنی میں حیاتِ انسانی کی پیچیدہ گتھیوں کا حل دلکش ودلفریب پیرائے میں قصوں اور کہانیوں کی مدد سے بیان کیا ہے۔ احکامِ خداوندی کی تعمیل اورسنتِ رسول کی پیروی کی تلقین کے لیے مولانا نے جوطرزِ استدلال اپنایا ہے وہ نہایت دقیق نکات کو بہت ہی آسان اورقابلِ فہم بنا دیتا ہے۔ اگر چہ مولانا کا ذہن وتخیل فلسفیانہ تھا اوراکثروبیشتر ان کے اشعاراوربیان میں بلاقصد فلسفیانہ مسائل درآتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ مشکل ترین فلسفی موضوعات کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کوانہیں سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری محسوس نہیں ہوتی۔

مثنوی میں مولانا نے فلسفہ اورسائنس کے متعدد مسائل درج کیے ہیں اوران کی تشریح اور توضیح اس درجہ دلآویز اورسادہ وآسان طریقہ سے فرمائی ہے کہ پڑھنے اور سننے والے کوان موضوعات کا ادراک کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ چندایسے ہی مسائل کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔

تجاذبِ اجسام:

یہ ایک غیر متنازعہ حقیقت ہے کہ کائنات کے تمام اجسام ایک دوسرے کو اپنی جانب کھینچ رہے ہیں۔ چنانچہ اس کشش اورتجاذب کے عمل سے نظامِ کائنات برقرار ہے۔ مغربی سائنسدانوں میں نیوٹن نے اس مسئلہ کی جزئیات پر تفصیل سے روشنی ڈالی اورعوام الناس کو اس کے بنیادی نکات سے آگاہ کیا۔ اسی لیے اس نظریہ کو نیوٹن سے منسوب کیا جاتا ہے جب کہ مولانا روم نے نیوٹن کے نظریہ کے منظرِ عام پر آنے سے سینکڑوں برس بیشتر اس مسئلہ کو بڑی خوش سلوبی سے عام فہم انداز میں یوں فرمایا ہے۔

جملہ اجزائے جہاں زاں حکم پیش
جفت جفت و عاشقانِ جفتِ خویش

(دنیا کے تمام اجزاء جوڑ جوڑ ہیں۔ اور ہر ایک اپنے جوڑے کا عاشق ہے۔)

آسماں گوید زمیں را مرحبا
با تو ام چوں آہن و آہن ربا

(آسمان زمین کو خوش آمدید کہتا ہے کہ میری تیری مثال لوہے اور مقناطیس کی سی ہے۔)

کرۂ زمین کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ زمین اجرام فلکی کی کشش کے باعث فضا میں معلق ہے۔ چنانچہ اس نکتہ کی تشریح یوں کی ہے کہ جیسے مقناطیس کا ایک گنبد ہو اور اس کے بیچ میں لوہے کا ٹکڑا ہو تو وہ گردوپیش کی کشش کے سبب وسط میں ہی معلق رہے گا۔ اسی طرح زمین بھی اجرم فلکی کی کشش کی بدولت فضا میں معلق ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

آں حکیمش گفت کز جذبِ سما
از جہاتِ شش بماند اندر ہوا

(اس حکیم نے اس سے کہا کہ آسمان اور شش جہات کی کشش کی وجہ سے زمین فضا میں معلق ہے۔)

چوں ز مقناطیس قبّہ ریختہ
درمیاں ماند آہنِ آویختہ

(جس طرح کہ مقناطیس کا گنبد ہو اور اُس کے درمیان لوہے کا ٹکڑا لٹکا ہو۔)

تجاذبِ ذرّات:

جیسا کہ ہم جانتے ہیں اجسام کی ترکیب ذرّات سے ہے اور ان ذرّات میں باہمی کشش موجود ہے۔ تاہم تمام اجسام کی ذرّات میں کشش اور تجاذب ایک جیسا نہیں۔ بعض اجسام کے ذرّات میں باہمی کشش بہت زیادہ ہے اور بعض میں کم۔ جیسا کہ لوہا اور لکڑی۔ اس اہم سائنسی مسئلہ کو مولانا نے نہایت عام فہم صرت میں یوں بیان فرمایا ہے:

میلِ ہر جزئی بہ جزئی می نہد
ز اتّحادِ ہر دو تولیدے جہد

(ہر ایک جزو کا دوسرے جزو کی طرف میلان ہے اور دونوں کے اتحاد سے پیدائش ہوتی ہے۔)

جزو کل کی باہمی کشش اور اتصال کے موضوع پر مولانا فرماتے ہیں:

ہر چہ بینی سوئے اصل خود رود
جزو سوئے کُلِ خود راجع شود

(تم جو کچھ دیکھتے ہو اپنی اصل کی طرف جاتا ہے ۔ ہر جُزو اپنی کُل کی طرف لوٹتا ہے ۔)

اسی طرح مثنوی کی ابتدا میں بانسری کی زبانی ہر جزو کی اپنے اصل سے دوبارہ ملنے اور اس میں کھو جانے کی خواہش کو یوں فرمایا ہے:

ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش

باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

(جو کوئی بھی اپنی اصل یا کُل سے جدا ہوا وہ پھر اس میں مدغم ہونے کا خواہاں ہوگا ۔)

جُزو کی اصل سے ملنے کی خواہش اسی کشش کا نتیجہ ہے جو کُل میں جُزو کے لیے ہے اور کُل سے ملنے کا جذبہ جو جُزو کے اندر موجزن ہے وہ بھی اسی کشش کا ایک روپ ہے جو جُزو میں کُل کی طرف کھنچے جانے کے لیے کارفرما ہے ۔

یہاں یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ مولانا نے بانسری کو ایک استعارہ کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اس ابدی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس طرح بانسری نیستاں سے جدا ہونے کے بعد مصروفِ نالہ وفغاں ہے اسی طرح روحِ انسانی بھی جو روحِ کُل کا حصہ ہے اپنے اصل یا کُل سے جدا ہو کر اس دنیا میں آنے کے بعد دوبارہ اپنے اصل یا کُل سے ملنے کے بیقرار اور نوحہ کناں ہے ۔ غرضیکہ مولانا نے ایک سائنسی مسئلہ کو بڑے دلکش پیرائے میں صوفیانہ انداز سے پیش کرتے ہوئے تجاذبِ اجسام و ذرات کی کیفیت کو جذبہِ عشق سے تعبیر کرتے ہوئے جا بجا فرمایا ہے کہ جس طرح عشقِ حقیقی حسنِ ازلی کی طرف مائل پرواز ہوتا ہے اور حسنِ ازلی عشقِ حقیقی کی کشش محسوس کرتا ہے اسی طرح مختلف اجسام و ذرّات بھی ایک دوسرے کی طرف کھنچتے ہیں اور اسی عمل کی بدولت نظامِ کائنات برقرار ہے ۔

تجدّدِ امثال:

مولانا بحرالعلوم کے مطابق تجدّدِ امثال کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی صورتیں ہر لحظہ بدلتی رہتی ہیں ۔ ایک صورت مٹتی ہے اور دوسری صورت اس کی جگہ نمودار ہو جاتی ہے تاہم ذات اسی طرح باقی رہتی ہے چونکہ زائل ہونے والی صورت نئی صورت جیسی ہوتی ہے اس لیے ہمیں اس ردّوبدل کا احساس نہیں ہوتا اور ظاہری طور پر یہی محسوس ہوتا ہے کہ پہلی صورت ہی جوں کی توں موجود ہے ۔ علم جدید کی

تحقیقات کے مطابق بھی یہ صورتِ حال درست ہے ۔مولانا روم نے اس اہم اور دقیق مسئلہ کو ہماری روزمرّہ کی زندگی سے ایک بہت ہی سیدھی سادہ مثال کے ذریعہ واضح کیا ہے آپ فرماتے ہیں:

پس ترا ہر لحظہ مرگ و رجعتے ست
مصطفیٰ فرمودہ دنیا ساعتے ست

(ہر لحظہ تیری موت اور واپس ہے اسی لیے آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ دنیا ایک ساعت یا لمحہ بھر کی ہے۔)

ہر نفس نو می شود دنیا و ما
بے خبر از نو شدن اندر بقا

(ہر سانس میں دنیا نئی بن رہی ہے اور ہم اس کے نئے بننے سے ہمیشہ بے خبر ہیں۔)

عمر ہمچو جوئے نو نومی رسد
مستمرّے می نماید در جسد

(زندگی نہر کے پانی کی طرح نئی نئی آتی رہتی ہے اور ہمارے بدن میں مسلسل دکھائی دیتی ہے۔

شاخِ آتش را بہ جنبانی بساز
در نظر آتش نماید بس دراز

(جلتی لکڑی کو تیزی سے گھماؤ تو دیکھنے میں ایک لمبی آگ دکھائی دیگی۔)

مولانا کا فرمان ہے کہ انسان کی زندگی کی بھی یہی صورت ہے۔ ہر آن فنا اور ہر لحظہ بقا۔یعنی ہر لحہ مٹنا اور پھر وجود میں آنا۔لیکن یہ تبدیلی اس تیزی سے آتی ہے اور اس سرعت سے رونما ہوتی ہے کہ ہمیں مستقل محسوس ہوتی ہے اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا ایک عام مشاہدہ کی مثال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بظاہر دیکھنے میں نہر کے پانی کی سطح مستقل دکھائی دیتی ہے لیکن درحقیقت وہ رواں دواں ہوتی ہے اور مسلسل بدلتی رہتی ہے۔اس حقیقت کی وضاحت ایک اور مثال دے کر یوں کی ہے کہ اگر ہم شعلہ کو تیزی سے گھمائیں تو وہ ایک دائرے کی شکل میں نظر آئے گا حالانکہ وہ شعلہ تیزی سے اپنی جگہ بدلنے کے باعث مسلسل صورت اختیار کر لیتا ہے اور ہم اس تبدیلی کو اس کی اصل حیثیت سے محسوس نہیں کرتے۔

مسئلہِ ارتقاء:

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ دنیا کی موجودات کو چار اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان۔ تاہم یہ مسئلہ زیرِ بحث رہا کہ آیا یہ چاروں قسمیں ابتدائے تخلیق سے الگ الگ پیدا ہوئیں یا ابتدا میں صرف ایک چیز تخلیق ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ اس نے ترقی وارتقاء کی منازل طے کیں۔ کیا ابتدا میں جماد وجود میں آئی پھر ترقی کر کے نبات بنی۔ پھر حیوان کی صورت اختیار کی اور ترقی کی آخری منزل میں انسان بنی۔ یہ نظریہ ارتقاء ڈارون سے منسوب ہے۔ مولانا شبلی کے مطابق ڈارون سے بہت پہلے مولانا بھی ارتقاء کے اسی عمل کے قائل تھے۔ چنانچہ حسبِ ذیل اشعار میں وہ اسی مسئلہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

آمدہ اوّل بہ اقلیم جماد
وز جمادی در نباتی اوفتاد

(انسان شروع میں جماد تھا۔ پھر جماد سے نبات بنا۔)

سالہا اندر نباتی عمر کرد
و ز نباتی یاد ناورد از نبرد

(وہ سالہا سال نبات رہا۔ لیکن اُسے نباتی زندگی یاد نہیں ہے۔)

و ز نباتی چوں بہ حیوانی فتاد
نامدش حالِ نباتی ہیچ یاد

(اور جب نبات سے وہ حیوان بنا۔ نباتی حالت اس کو یاد نہ رہی۔)

جز ہماں مَیلے کہ دارد سوئے آں
خاصہ در وقتِ بہاراں ضمیراں

(ہاں سوائے اس میلان کے جو اس کو نبات کی طرف ہے خصوصاً بہار میں ضمیراں کے کھلنے کے وقت)

بچو میلِ کودکاں با مادراں
سرِّ میلِ خود نداند در لباں

جس طرح بچوں کا ماؤں کی طرف میلان ہوا ہے اگر چہ شیر خوری کے زمانہ میں اپنے اس میلان کا راز نہیں معلوم نہیں ہوتا۔

باز از حیواں سوئے انسانیش
میکشد آں خالقے کہ دانیش

پھر حیوان سے انسان کی جانب اس کو وہ خالق (پیدا کرنے والا) لے جاتا ہے جو سے جانتا ہے۔

ہم چنیں اقلیم تا اقلیم رفت
تا شد اکنوں عاقل و دانا و زفت

اس طرح وہ ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف چلتا رہا یہاں تک وہ عاقل ودانا اورفربہ بن گیا۔

ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا انسان کی ارتقائی تخلیق کے قائل تھے۔

الغرض مثنوی میں مولانا روم نے قرآن واحادیث کے چیدہ چیدہ موضوعات کی معمولات زندگی کے حوالے سے تشریح بھی کی ہے اور تصوف وسلوک، شریعت وطریقت اور فلسفہ وسائنس کے دقیق مسائل کی نہایت مدلّل مگر آسان اور عام فہم انداز میں وضاحت بھی فرمائی ہے۔

مثنوی کے مطالعہ سے جہاں دینی اور دنیوی معاملات کی گتھیوں کو سلجھانے اور سمجھنے میں رہبری ورہنمائی حاصل ہوتی ہے وہاں اہلِ دل اور اہلِ نظر کے لیے اسرار ورموزِ معرفت کے جواہر ریزے بھی ہیں اور عام قاری کے لیے علم وحکمت کے بصیرت افروز شہ پارے بھی۔

فارسی کے عظیم صوفی شاعر مولانا جامیؒ نے مثنوی کے بارے میں کیا خوب کہا ہے۔

مثنوی معنوی مولوی
ہست قرآن در زبانِ پہلوی

نوائے نَے

بشنو از نَے چوں حکایت می کند — سن کہ[1] نَے کہتی ہے اپنی داستاں
وز جدائیہا شکایت می کند — دردِ ہجراں سے ہوئی ہے نوحہ خواں

کز نیستاں تا مرا ببُریدہ اند — کاٹ کر لائے نیستاں سے یہاں
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند — مرد و زن میری نوا سے خونچکاں

ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش — جو بھی اپنی اصل سے ہوگا جدا
باز جوید روزگارِ وصلِ خویش — ہوگا وصلِ خویش اس کا مدّعا

من بہر جمعیتے نالاں شدم — مَیں ہوئی ہر بزم میں نالہ کناں
جفتِ خوشحالاں و بدحالاں شدم — نیک و بد کی محفلوں میں نغمہ خواں

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من — ہر کوئی اپنا سمجھتا ہے مگر
وز درونِ من نجست اسرارِ من — میرے اسرارِ دروں سے بے خبر

سرِّ من از نالۂ من دور نیست — میرے نالوں میں مرے سرِّ نہاں
لیک چشم و گوش را آں نور نیست — جو انہیں سمجھیں و جان و دل کہاں

تن ز جان و جاں ز تن مستور نیست — تن سے[2] جاں اور جاں سے تن ہے کب نہاں
لیک کس را دیدِ جاں دستور نیست — پر کسی نے جاں کو دیکھا ہے کہاں

1 مولانا بانسری کی تشبیہ سے روح کی روح الارواح ہستی مطلق سے جدائی کا ذکر کرتے ہیں جو عالم شہود میں آ کر مستقل اضطراب اور بے چینی کا شکار ہے چنانچہ جب تک روح اپنی اصل سے پھر واصل نہیں ہوگی اُسے سکون حاصل نہیں ہوگا اور جس طرح بانسری نیستاں سے جدا ہو کر ہمیشہ فریاد کرتی ہے اسی طرح روح بھی اپنے اصل سے جدا ہو کر بے چین رہتی ہے۔ 2 جس طرح جسم اور روح ایک ساتھ ہوتے ہیں جسم سب کو دکھائی دیتا ہے لیکن روح نظر نہیں آتی اسی طرح میری آواز تو سب سنتے ہیں لیکن اس میں چھپا ہوا درد کوئی محسوس نہیں کر سکتا۔

آتش است ایں بانگِ نَے و نیست باد — آگ ہے سر سر نہیں نے کی صدا
ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد — خاک[1] ہو جس میں نہ ہو یہ شعلہ زا

آتشِ عشق است کاندر نَے فتاد — بانسری میں عشق ہے آتش فشاں
جوششِ عشق است کاندر مَے فتاد — مَے میں جوشِ عشق ہے نغمہ کناں

نَے حریفِ ہر کہ از یارے برید — بانسری بچھڑے ہوؤں کی ہمنوا
پردہائش پردہائے ما درید — کر گئی دل کو دو نیم اس کی صدا

ہمچو نَے زہرے و تریاقے کہ دید — بانسری ہے زہر بھی تریاق بھی
ہمچو نَے دمساز و مشتاقے کہ دید — بانسری ہمدم بھی ہے مشتاق بھی

نَے حدیثِ راہِ پُرخوں می کند — نَے سنائے پُرخطر راہوں کی بات
قصہ ہائے عشقِ مجنوں می کند — عشقِ مجنوں کی دُکھی آہوں کی بات

دودہاں داریم گویا ہمچو نَے — اپنے[2] بھی مانندِ نَے ہیں دو دہاں
یک دہاں پنہاں ست درلبہائے وَے — اِک دہاں نَے کے لبوں سے نغمہ خوان

یک دہاں نالاں شدہ سوئے شما — اِک وہاں تیری طرف نالاں ہوا
ہائے و ہوئے درفگندہ در سما — آسماں پہ شور و غل برپا کیا

لیک داند ہر کہ اُورا منظر ست — راز یہ اہل، نظر پہ ہے عیاں
کایں فغانِ ایں سرے ہم زاں سرست — نَے کی فریادوں کا منبع ہے کہاں

دمدمہ ایں نائے از دمہائے اُوست — یہ نوائے نَے اُسی کے دم سے ہے
ہائے و ہوئے روح از ہیہائے اُوست — زندگی کی لَے اُسی کے دم سے ہے

[1] جس شخص میں جذبۂ عشق نہ ہو اس لئے مرجانا ہی بہتر ہے۔

[2] بانسری کا ایک منہ بانسری بجانے والے کے لبوں میں چھپا ہوتا ہے جبکہ آواز بانسری کے دوسرے منہ سے نکلتی ہے جو درحقیقت بانسری نواز کی ہی آواز ہوتی ہے۔ جو آسمان پر پہنچ کر وہاں ہلچل مچا دیتی ہے۔

محرمِ ایں ہوش جز بیہوش نیست　　مست[1] و بیخود کے سوا سب بے خبر
مر زباں را مشتری چوں گوش نیست　　کان ہی حرفِ زباں ہے داد گر

گر نبودے نالۂ نے را ثمر　　نغمۂ نے گر نہ ہوتا پُر اثر
نے جہاں را پُر نہ کردے از شکر　　یہ جہاں پھر کیسے ہوتا پُر شکر

درغمِ ما روزھا بیگاہ شد　　مٹ[2] گئے غم میں ہمارے روز و شب
روزھا با سوزہا ھمراہ شد　　سوز ہائے جاں کے مارے روز و شب

روز ہا گر رفت گورو باک نیست　　دن گزرے ہیں گذر جائیں مگر
تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست　　تو رہے جو سب سے ہے پاکیزہ تر

بادہ از ما مست شد نے ما ازو　　مست[3] ہے مے ہم سے ہم اُس سے نہیں
قالب از ما ہست شد نے ما ازو　　جسم بھی ہے ہم سے ہم اُس سے نہیں

بر[4] سماعِ راست ہر کس چیر نیست　　حرفِ حق سننے کی قدرت ہے کسے
طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست　　ہر پرند سب نہ لائقِ انجیر ہے

بند بگسل باش آزاد اے پسر　　سارے بندھن توڑ کر آزاد ہو
چند باشی بندِ سیم و بندِ زر　　قید و بندِ سیم و زر میں کیوں رہو

گر بریزی بحر را در کوزۂ　　ڈال[5] دیں گر بحر بھی کوزے میں ہم
چند گنجد قسمتِ یک روزۂ　　پھر بھی پانی نظر آئے گا کم

[1] جو عشقِ الٰہی میں مست ہیں صرف وہی جانتے ہیں کہ بانسری سے جو پُرسوز آواز نکلتی ہے اس کا منبع کہاں ہے۔
[2] ہماری زندگی فراقِ یار کی نذر ہوگئی ہے۔ اب مولانا اگلے شعر میں فرماتے ہیں کہ ہمارے روز و شب محبوب کی جدائی میں جس طرح بھی گزرتے ہیں گزرتے رہیں لیکن اس کا ورفِ قت برقرار رہے جو سب سے زیادہ محبوب اور پاکیزہ ہے۔
[3] مے کی مستی میجوش سے ظاہر ہوتی ہے اور بانسری کا سوز وگداز بانسری بجانے والے کے دم سے ہے۔
[4] صوفیائے کرام کے نزدیک ایک خاص قسم کی موسیقی سے روح اپنی ماہیت اور ماہیتِ حیات و کائنات تک رسائی حاصل کرتی ہے۔ مولانا سماعِ راست کو جائز اور سماعِ ناراست کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔
[5] انسان کی حرص و ہوس کی کوئی انتہا نہیں۔

کوزۂ چشمِ حریصاں پُر نہ شد　　کبھی[1] ہوئی ہے پُر حریصوں کی نظر
تا صدف قانع نہ شُد پُر دُر نہ شد　　ہو صدف قانع تو بنتا ہے گہر

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد　　عشق سے ہو جس کا دامن چاک چاک
اُو ز حرص و عیب کلّی پاک شد　　وہ سدا ہر عیب سے رہتا ہے پاک

شادباش اے عشقِ خوش سودائے ما　　اے[2] مرے عشق و جنونِ خوش ادا
اے طبیبِ جُملہ علتہائے ما　　خوش رہو تم سب دکھوں کی ہو دوا

اے دوائے نخوت و ناموسِ ما　　تو مرے فخر و تکبر کی دوا
اے تو افلاطون و جالینوسِ ما　　تو ہی جالینوس و افلاطوں مرا

جسمِ خاک از عشق برافلاک شد　　عشق سے پہنچا فلک پر[3] جسمِ خاک
کوہ در رقص آمد و چالاک شد　　عشق سے ہی کوہ رقصاں تابناک

عشق جانِ طور آمد عاشقا　　عشق ہی اے عاشقو ہے جانِ طور
طور مست و خرّ موسیٰ صعِقا　　طور و موسیٰ بیخودی سے چُور چُور

آنچہ نے می گوید اندراں دوباب　　ہے نوائے نے میں جو سِرّ نہاں
گر بگویم من جہاں گردد خراب　　گر کروں اِفشا تو مٹ جائے جہاں

سِرّے پنہاں ست اندر زیر و بم　　لَے[4] کے زیرو بم کا راز و ماجرا
فاش اگر گویم جہاں برہم زنم　　میں اگر کہہ دوں تو دنیا ہو فنا

1 حریص کی نگاہیں کبھی پُر نہیں ہوتیں۔ صدف جب بارش کے ایک قطرے پر قانع ہو کر منہ بند کر لیتی ہے تو یہ قطرہ گوہر بن جاتا ہے۔
2 عشق کی بدولت ہی انسان تمام نفسانی بیماریوں سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے۔
3 عشقِ الٰہی کی بدولت ہی حضورؐ کو معراج حاصل ہوئی اور وہ عرش پر تشریف لے گئے۔
4 مولانا فرماتے ہیں کہ بانسری کے سُروں میں جو زیر و بم ہیں۔ ان میں وہ ازلی راز پوشیدہ ہیں کہ اگر انہیں کھل کر بیان کیا جائے تو عوام ان کا مکمل ادراک نہ کر سکیں گے اور فکری کشمکش میں مبتلا ہو جائیں گے۔

با لبِ دمسازِ خود گر جفتمے — لبے[1] پہ لب گر میں ہوتا مثلِ نے
ہمچو نے من گفتنیہا گفتمے — بے بہا باتیں سناتا مثلِ نے

ہر کہ اُو از ہم زبانے شد جدا — جو بھی اپنے ہمنوا سے ہو جُدا
بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا — پُر نوا ہوتے ہوئے بھی بے نوا

چونکہ گل رفت و گلستاں در گذشت — پُھول[2] بکھرے اور چمن ویراں ہوا
نشنوی زیں پس ز بلبل سرگذشت — اب کے بُلبل سُنائے ماجرا

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب — پُھول بکھرے اور اجڑا گلستان
بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب — بُوئے گُل کی جستجو کیجئے کہاں

پُر و بالِ ما کمندِ عشقِ اُوست — ہیں کمندِ عشق بال و پَر مرے
موکشانش می کند تا کوئے دوست — کھینچ لائے کوئے جاناں تک مُجھے

من چہ گویم ہوش دارم پیش و پس — عالم[3] کیا ہو مُجھ کو گرد و پیش کا
چوں نباشد نورِ یارم پیش و پس — گر نہ میرے ساتھ ہو نُورِ خدا

نورِ اُو در یُمن و یُسر و تحت و فوق — ہر طرف ہے نور اُس کا جلوہ گر
بر سر و بر گردنم مانندِ طوق — طاری و ساری ہے میری زیست پر

عشق خواہد کایں سخن بیروں رود — منعکس ہو راز کیونکر عشق کا
آئینہ ات غماز نبود چوں بود — بے جِلا ہے تیرے دل کا آئینہ

آئینہ ات دانی چرا غماز نیست — کیوں ہے تیرا آئینہ بے آب و تاب
زانکہ زنگار از رُخش ممتاز نیست — زنگ کا ہے اس کے چہرے پہ حجاب

[1] بانسری سے جو سُر پیدا ہوتے ہیں وہ بانسری بجانے والے کے لب اور بانسری کے یکجا ہونے سے جنم لیتے ہیں۔
[2] جب دنیا میں روحِ عشق سے آگاہی کا ذوق ہی باقی نہ رہے تو پھر اسرارِ حق کس کے آگے بیان کیے جائیں۔
[3] اگر خداوند تعالیٰ کا نور زندگی کی تاریک راہوں پر میری رہنمائی نہ کرے تو مجھے گرد و پیش اور راستے کے پیچ و خم کی کیسے خبر ہو۔

آئینہ کز زنگ و آلائش جداست　　آئینہ جو زنگ سے ہے صاف و پاک
پُر شعاع از نورِ خورشیدِ خدااست　　ہے وہ نورِ مہرِ حق سے تابناک

رو تو ز نگار از رُخ، اُو پاک کن　　زنگ آلودہ ہے اس کو صاف کر
بعد ازاں آں نُوررا اِدراک کن　　پھر تجھے وہ نور آئے گا نظر

ایں حقیقت را شنو از گوشِ دل　　اِس حقیقت کو بگوشِ دل سنو
تا بروں آئی بکلّی ز آب و گِل　　تا کہ بندِ آب و گِل سے بچو

فہم گرداریہ جاں را راہ دہید　　روح کو اپنا بنا کر راہبر
بعد ازاں از شوق پا در رہ نہید　　گامزن ہو زندگی کی راہ پہ

دنیا و عقبیٰ

حرف ظرف آمد درو معنی چو آب　　حرف اور معنی کہ جیسے ظرف و آب
بحرِ معنی عندہٗ اُمّ الکتاب　　بحر[1] معنی صاحب اُمّ الکتاب

بحرِ تلخ و بحرِ شیریں ہم عناں　　تلخ[2] و شیریں بحر ہیں یکجا رواں
درمیاں شاں بَرزَخٌ لّا یبغیاں　　ہے خطِ تفریق لیکن درمیاں

وآنکہ ایں ہر دو ز یکے اصلے رواں　　ہیں[3] جُدا پَر مشترک ہے ابتدا
درگذر زیں ہر دو رو تا اصل آں　　گامزن ہو تو بھی سوئے ابتدا

ہر کرا در جاں خدا بنہد محک　　ہو پرکھنے کی جسے قدرت عطا
مر یقیں را باز داند اُوز شک　　وہ یقیں سے شک کو رکھتا ہے جدا

آنچہ گفت "اِستفتِ قَلبک" مصطفیٰؐ　　"دل[4] سے فتویٰ پوچھ" قولِ مصطفیٰؐ
آن کسے داند کہ پُر بُود از وفا　　اِس سے واقف ہیں فقط اہلِ وفا

در دہانِ زندہ خاشاک ارجہد　　منہ میں اِک تنکے سے حالت زار زار
آنگہ آرامد کہ بیرونش نہد　　وہ نکل جائے تو آتا ہے قرار

۱ تمام اوصاف اور معانی کا منبع ذات خداوندی ہے جس کے پاس اُم الکتاب یعنی لوح محفوظ ہے۔ یہ الفاظ قرآن حکیم کی اس آیت سے ماخوذ ہیں۔
لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَ یُثْبِتُ وَ عِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَابِ
خدا جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اس کے پاس اصل کتاب لوح محفوظ ہے۔
۲ سورۂ رحمٰن کی اس آیت سے نیک و بد میں حد فاصل کی طرف اشارہ کیا ہے۔
مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیَانِ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیَانِ
اسی نے دو سمندر بنائے ہیں کہ آپس میں ملتے ہیں پھر بھی دونوں میں ایک پردہ ہے کہ ایک دوسرے کی طرف نہیں بڑھ سکتے۔
۳ نیک و بد دونوں حق تعالیٰ کی قدرت میں ہیں لہٰذا ان سے گذر کر ذات باری تک پہنچنے کی کوشش کرو۔
۴ اس شعر میں مولانا آنحضورؐ کی اس حدیث مبارک کا حوالہ دیتے ہیں جس میں حضورؐ حضرت وابصہؓ کے ایک استفسار کے جواب میں فرماتے ہیں استفت قلبک یعنی اپنے دل سے پوچھو۔

حس دنیا نزدبانِ ایں جہاں — حسِ دنیا اِس جہاں کا آسرا
حس عقبیٰ نردبانِ آسماں — حسِ عقبیٰ اُس جہاں کا آسرا

صحتِ ایں حس بجوئید از طبیب — [1] حسِ دنیا کا معالج ہے طبیب
صحت آں حس بجوئید از حبیب — حسِ عقبیٰ کا معالج ہے حبیب

صحتِ ایں حس ز معموریِ تن — [2] حسِ دنیا تن سے ہے من سے نہیں
صحتِ آں حس ز تخریبِ تن — حسِ عقبیٰ من سے ہے تن سے نہیں

شاہِ جاں مر روح راویراں کند — [3] تن کی بربادی پہ ہی اہلِ صفا
بعد ویرانش آباداں کند — تن کی آبادی کی رکھتے ہیں بِنا

اے خنک جانے کہ در عشقِ مآل — ہے مبارک فکرِ عقبیٰ ہو جسے
بذل کرد اُو خانمان و ملک و مال — اپنا سب کچھ راہِ حق میں بخش دے

کردویراں خانہ بہر گنج زر — [4] گھر کی ویرانی سے وہ دولت ملے
وزہماں گنجش کند معمور تر — جس سے گھر آباد ہو خوش تر بنے

کار بیچوں را کہ کیفیت نہد — کیسے کیجیے اُس کاموں کا بیاں
ایں کہ گفتم از ضرورت می جہد — کہ دیا جتنی ضرورت تھی یہاں

کاملاں کز سر تحقیق آگہند — مردِ کامل رازِ حق سے باخبر
بیخود و حیران و مست و والہ اند — مست و بیخود محوِ حیرت سربسر

نے چنیں حیراں کی پشتش سوئے اوست — محوِ حیرت ہے پہ روگرداں نہیں
بل چنیں حیراں کہ روور روئے اوست — بلکہ اُس کے روبرو ہے ہر کہیں

[1] حبیب یعنی محبوبِ خدا شیخ کامل۔ دنیاوی حس کا علاج طبیب کر سکتا ہے جبکہ روحانی حس کا علاج شیخ کامل سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔
[2] دنیاوی حس کا علاج بدن کی تندرستی ہے جبکہ روحانی حس کا علاج دل کی تندرستی یعنی دل کے پاک وصاف ہونے سے ہیں۔
[3] اہلِ صفا ریاضت سے تن کو برباد کرکے اس کی ویرانی پر روحانی زندگی کی بنیاد رکھتے ہیں۔
[4] جس کسی نے دنیاوی مال ومتاع راہِ حق میں قربان کر دیا عقبیٰ میں نیا و خوبصورت گھر تعمیر کر لیا۔

آں یکے را روئے اُوشد سوئے دوست　　[1] ایک چہرہ ہر گھڑی ہے سوئے دوست
ویں یکے را روئے اُوشد سوئے دوست　　ایک چہرہ بن گیا خود روئے دوست

روئے ہر یک می نگر میداو پاس　　ایسے انساں لائق صد احترام
بو کہ گر وی تو زخدمت بو شناس　　اُن کی خدمت سے بنو گے خوش مقام

[1] حیرانی کی محویت دو طرح سے ہوتی ہے ایک میں طالب و مطلوب ممتاز ہوتے ہیں اور دوسری وہ جس میں طالب و مطلوب میں امتیاز نہیں رہتا چنانچہ اس شعر میں دونوں کیفیتوں کو بیان کیا گیا ہے تاہم دوسری کیفیت کے حامل لائق صد احترام ہیں جو فنا فی اللہ ہیں۔

جہد و توکّل

پائے داری چوں کنی خود را تو لنگ　　پاؤں رکھتے ہو تو پھر معذور کیوں
دست داری چوں کنی پنہاں تو چنگ　　دست و بازو کو رکھو مستور کیوں

خواجہ چوں بیلے بدستِ بندہ داد　　کی ترے ہاتھوں کو جب قوت عطا
بے زباں معلوم شد اُو را مراد　　بن کہے واضح تھا اِس کا مدعا

گر توکل می کنی درکار کن [1]　　کام کرنے میں توکل ہے بجا
کارکن پس تکیہ برجبار کن　　کار گر ہو گا خُدا کا آسرا

گفت آرے ار توکل رہبرست [2]　　گر توکل ہے تمہارا رہنما
ایں سبب ہم سنّت پیغمبر ست　　کسب و محنت سنّتِ شاہِ ہدیٰ

رمزِ الکاسب حبیب اللہ شنو　　اہلِ محنت ہیں پسند اللہ کو
از توکل در سبب کاہل مشو　　ترکِ محنت کو توکل مت کہو

در توکل کسب و جہد اولیٰ تر است　　گر توکل میں لیا محنت سے کام
تا حبیبِ حق شوی ایں بہتر است　　بارگاہِ حق میں ہو گے خوش مقام

سعیِ ابرار و جہادِ مومناں [3]　　ہے نیکو کاروں کی محنت کا ثمر
تا بدیں ساعت ز آغازِ جہاں　　روزِ اوّل سے ابھی تک جلوہ گر

[1] مولانا جد وجہد اور سعی و عمل کے حق میں ہیں اور اس بات کے داعی کہ توکل کا مطلب محنت و مشقت چھوڑ کر بیٹھ جانا نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جد وجہد کرے اور پھر اس کا نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے۔

[2] توکل کرنا بجا ہے لیکن اپنے کام میں سبب کو لاتے ہوئے محنت سے نتیجہ کے لیے کوشاں ہونا آنحضورؐ کی سنت ہے۔

[3] خاصانِ خدا نے حق تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے بھی دنیاوی اسباب کو اختیار کیا اس لیے کہ یہ اسباب بھی ربّ ذوالجلال نے مہیا کیے ہیں اور زندگی کی جد وجہد میں صبر و استقلال سے کام لے کر نشیب و فراز سے دوچار ہوئے چنانچہ ان کی یہ روشن مثالیں ازل سے روزِ آخر تک ہماری رہنمائی کے لیے تابندہ رہیں گی۔

حق تعالیٰ جہد شاں را راست کرد　　لطب حق سے ان کی زحمت کوشیاں
آنچہ دیدند از جفا و گرم و سرد　　شاد کام و کامیاب و کامراں

سعی شکرِ نعمت قدرت بود　　کام کیجیے شکرِ نعمت ہے یہی
جبر تو انکار آں نعمت بود　　جبر کیا ہے شکر نعمت کی نفی

شکرِ نعمت نعمت افزوں کند　　نعمتیں ہوں شکرِ نعمت سے سوا
کفرِ نعمت از کفت بیروں کند　　نعمتیں ہوں کفرِ نعمت سے فنا

صاحبِ وصف

آنچہ شیریں است آن شد یارِ وانگ   مردِ خوش خو بیش قیمت بے بہا
وانچہ بوسیدہ ست نبود غیر ۔ بانگ   مردِ بد خو جیسے بے معنی صدا

آنچہ بامعنی ست خوش پیدا شود   باصفا انساں ہمیشہ پُروقار
وانچہ بے معنی ست خود رسوا شود   بے صفا ہوتا ہے خود ہی زار و خوار

رَو بمعنی کوش اے صورت پرست   حسنِ باطن ڈھونڈ اے ظاہر پسند
زانکہ معنی بر تنِ صورت پَرست   حسنِ باطن سے ہی ہو گا سر بلند

دل ترا در کوئے اہلِ دل کشد   [1] دِل تجھے کھینچے ہے سوئے اہلِ دل
تن ترا در حبسِ آب و گِل کشد   تن کی خواہش قید و بندِ آب و گِل

ہمنشینِ اہلِ معنی باش تا   اہلِ عرفاں کا ہوا جو ہمنشیں
ہم عطایابی و ہم باشی فتا   دادِ حق پائی بنا مردِ یقیں

یک زمانے صحبتِ با اولیا   اولیا کے ساتھ گذرے جو گھڑی
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا   بے ریا سو سالہ طاعت سے بھلی

گر تو سنگِ خارہ و مرمر شوی   چاہے تو مَرمَر ہے یا سنگِ سیاہ
چوں بصاحب دل رَسی گوہر شوی   دُر بنا دے گی ولی کی اِک نگاہ

[1] دل روحانی پاکیزگی کی طرف مائل ہوتا ہے اور اہلِ دل کی طرف لے جاتا ہے جب کہ تن دنیاوی خواہشات میں گرفتار رکھنا چاہتا ہے۔

ہیں غذائے دل بدہ از ہمدلے [1] دل کو تسکیں اہلِ دل سے ہی ملے
رو بجو اقبال را از مُقبلے بخت والے سے ہی خوش بختی ملے

مہر پاکاں درمیانِ جاں نشاں دل میں اہلِ دل کی چاہت کو بسا
دل مدہ اِلّا بمہرِ دل خوشاں کوئی اِس قابل نہیں اُن کے سوا

[1] اہلِ دل کی صحبت سے ہی انسان کے دل کو تسکین اور اطمینان حاصل ہو سکتا ہے اس لیے کہ ان کی مجلس میں ذکرِ خدا ہوتا ہے اور قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ:

اِلاَّ بِذِکرِ اللہ تطمئنُ القلوب

دل کو ذکرِ الٰہی سے ہی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

اَمرِ ربی

آتشِ طبعت اگر غمگیں کند [1] سوزِ جاں سے ہوا گر تو دلفگار
سوزش ازامرِ ملیکِ دیں کند جان لے یہ بھی ہے حکمِ کردگار

آتشِ طبعت اگر شادی دہد سوز جاں سے گر ملے تجھ کو خوشی
اندرو شادی ملیکِ دیں نہد یہ خوشی بھی مالکِ کُل نے ہے دی

چونکہ غم بینی تو استغفار کن رنج و غم میں وردِ استغفار کر
غم بامرِ خالق آمد کارکن رنج و غم اذنِ خُدا سے پُر اثر

چوں بخواہد عینِ غم شادی کند غم کو جب چاہے خوشی میں ڈھال دے
عینِ بند پائے آزادی شود بندِ پا پیغامِ آزادی بنے

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند [2] آگ ہو پانی ہو مٹی یا ہوا
بامن و تو مردہ باحق زندہ اند مالک و خالق ہے ان کا بھی خدا

سنگ بر آہن زنی آتش جہد سنگ و آہن سے شرر کا پھوٹنا
ہم بامرِ حق قدم بیروں نہد کب ہے ممکن امرِ ربی کے سوا

سنگ و آہن خود سبب آمد وَ لیک گو بظاہر سنگ و آہن ہیں سبب
تو ببالا تر نگر اے مردِ نیک ہے مگر ان کا بھی خالق پاک ربّ

1. ان اشعار میں مولانا قرآن حکیم کی ان آیات مبارکہ کے نفسِ مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن میں خدائے ذوالجلال کا ارشاد ہے کہ
بدیع السموت والارض و اذا قضی امرا فانما یقول له کن فیکون
(وہی آسمانوں اورزمین کا پیدا کرنے والا ہے جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو ارشاد فرماتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے۔)
2. چاروں عناصر یعنی عناصر اربعہ اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں اوران میں بھی زندگی کے آثار موجود ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:
اِنَّ مِنهَا لَمَا یَهبِطُ مِن خَشیَةِ الله
یعنی بے شک پتھروں میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

کیں سبب را آں سبب آورد پیش   ہر سبب کا ہے مُسبّب سے وجود
بے سبب کے شد سبب ہرگز ز خویش   بے مُسبّب کیسے ممکن ہے نمود

ایں سبب را آں سبب عامل کند   ۱ اُس سبب سے یہ سبب عامل ہوا
باز گاہے بے برو عاطل کند   اور جب چاہا اسے ساکت کیا

واں سببہا کانبیاء را رہبرست   ۲ رہنما ہیں انبیاء کے جو سبب
آں سببہا زیں سببہا برتر است   دوسروں سے بالاتر ہیں وہ سبب

ایں سبب را محرم آمد عقلِ ما   ۳ اِس سبب سے عقلِ انساں آشنا
واں سببہا راست محرم انبیاء   اور اُن سے آشنا ہیں انبیاء

ایں سبب چہ بُد بتازی گو رسن   یہ سبب جیسے ہو رسّی ڈول کی
اندریں چہ ایں رَسَن آمد بفن   کھینچتا ہے جس کو کوئی اور ہی

گردشِ چرخ ایں رَسَن را علت ست   ۴ گرچہ چرخی سے ہی رسّی کی چال
چرخ گرداں را ندیدن زلت ست   گھومنا چرخی کا ہے کس کا کمال

ایں رسنہائے سببہا در جہاں   اِس جہاں میں رسّیاں اسباب کی
ہاں وہاں زیں چرخ سرگرداں مداں   چرخِ گرداں کی نہیں تابع کبھی

بادو آتش می شوند از امرِ حق   ۵ حکمِ رب سے باد و آتش کا ظہور
ہردو سرمست آمدند از خمرِ حق   جامِ حق سے اِن کی مستی کا سرور

آبِ حلم و آتشِ خشم اے پسر   بُرد باری اور غصہ بھی سدا
ہم ز حق بینی چو بکشائی نظر   دیکھ اذنِ حق سے ہیں جلوہ نما

۱ ہر سبب اُس قدیم سبب یعنی مسبب قدرت سے کارگر بنتا ہے اور پھر جب وہ مسبب قدرت چاہتا ہے اسے بے اثر اور بے کار بنا دیتا ہے۔
۲ عوام کی نظر اسباب کی سطح تک ہی پہنچتی ہے جب کہ انبیاء کی نظر ان کی تہ تک پہنچتی ہے۔ ۳ انبیائے کرام کو معیت ایزدی سے رضائی حاصل ہوتی ہے جو ان کے تمام افعال و اقوال کے بنیادی سبب کی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ اس سبب کو باقی تمام اسباب پر فوقیت حاصل ہوگی۔ ۴ بظاہر کنوئیں کی چرخی رسّی کی مدد سے گھومتی ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس چرخی کو گھمانے والا کون ہے یعنی کون و مکان میں ہر چیز کے بننے بگڑنے چلنے اور رکنے کا عمل اس قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ ۵ آگ اور ہوا دونوں اللہ کے حکم سے جلتی اور چلتی ہیں ان دونوں کو اسی ذات پاک سے اثر ملتا ہے۔

عقل

بحرِ بے پایاں بود عقلِ بشر   عقلِ انساں جیسے بحرِ بیکراں
بحر را غواص باید اے پسر   اس میں جو ڈوبا ہوا وہ کامراں

صورتِ ما اندریں بحرِ عذاب   اس سمندر میں ہمارے جسم و جاں
میدودچوں کاسہا بر روئے آب   جیسے سطحِ آب پر پیالے رواں

تا نشد پُر بر سرِ دریا ست طشت   [1] جب تلک خالی ہیں تیریں گے مگر
چونکہ پُر شد طشت دروے غرق گشت   پُر ہوئے تو ڈوب کر رشکِ گہر

عقل پنہان ست و ظاہر عالمے   [2] عقل پوشیدہ ہے اور دنیا عیاں
صورتِ ماموج یا از وے نمے   ہم ہیں جیسے بحر کی موج دواں

ہر چہ صورت می وسلیت سازدش   جو نظر آیا اُسی کے ہوگئے
زاں وسیلت بحر دور اندازدش   اپنے محور سے ہٹے اور کھو گئے

[1] جب تک ہمارے جسم روحانیت سے خالی ہوں گے وہ دنیا کے سمندر کی سطح پر تیرتے رہیں گے لیکن جب وہ روحانی دولت سے بھر جائیں گے تو پھر سیپ کی طرح ڈوب جائیں گے۔

[2] دریائے عقل پوشیدہ ہے اور ہماری زندگی ایک موج کی طرح رواں دواں ہے۔ اگر صحیح سمت مل گئی تو ساحل تک پہنچ جائیں گے ورنہ اِدھر اُدھر بھٹکتے رہیں گے۔

چشمِ بینا

دردرونِ خود بیفزا درد را ۱ زندگی کو آشنائے درد کر
تا بہ بینی سبز و سرخ و زرد را تا کہ سرخ و سبز و زرد آئے نظر

کے بہ بینی سرخ و سبز و بور را ۲ کیسے پہچانو گے اِک اک رنگ کو
تا نہ بینی پیش ازیں سہ نور را تم نے جب تک نور ہی دیکھا نہ ہو

چونکہ شب آں رنگہا مستور بود ۳ تیرگی میں رنگ سب بے رنگ تھے
پس بدیدی دیدِ رنگ از نور بود نور کے دم سے ہی سارے رنگ تھے

نیست دیدِ رنگ بے نورِ بروں ۴ روشنی سے رنگ پاتے ہیں جلا
ہم چنیں رنگِ خیالِ اندروں نورِ باطن سے ہی باطن خوشنما

ایں بروں از آفتاب و از سہاست ۵ مہر و انجم سے ہے دنیا نور نور
واں دروں از عکسِ انوارِ علاست اور باطن نورِ حق سے رشکِ طور

نورِ نورِ چشم خود نورِ دل است ۶ چشمِ بینا نورِ دل کا ہے ظہور
نورِ چشم از نورِ دلہا حاصل است نورِ دل سے ہی تری آنکھوں کا نور

باز نورِ نورِ دل نورِ خدا ست ۷ چشمِ دل کا نور ہے نورِ خدا
کو ز نورِ عقل و حس پاک و جداست عقل و حس کی روشنی سے ماورا

۱ زندگی میں عشقِ حقیقی کا درد پیدا ہو تو انسان ہر چیز کو اس کے حقیقی روپ میں دیکھنے کے قابل ہو سکے گا۔
۲ جب تک انسان کے اندر نورِ حقیقی کی روشنی نہیں ہو گی اسے امر و لطائف غیبیہ کے رنگ کیسے نظر آئیں گے۔
۳ تاریکی میں کسی بھی رنگ کو سوائے نور کے پہچانا نہیں جا سکتا۔
۴ تمام رنگ نور کی روشنی میں مکمل اُبھرتے ہیں۔ نورِ باطن سے ہی انسان کا باطن روشن ہوتا ہے۔
۵ جس طرح دنیا سورج اور چاند کی روشنی سے منور ہوتی ہے اسی طرح انسان کا باطن نورِ خدا سے تابناک ہوتا ہے۔
۶ اگر دل نورِ ایزدی سے منور ہو تو پھر آنکھ بھی حقیقی معنی میں چشمِ بینا ہوتی ہے یعنی بصیرتِ چشم بصیرتِ قلب سے ملتی ہے۔
۷ بصیرتِ قلبی عقل اور حسِ انسانی سے جدا اور بلند تر چیز ہے۔

نورِ حق

رنج و غم را حق پئے آں آفرید — حق نہ دیتا گر ہمیں رنج و الم
تا بدیں ضد خوشدلی آید پدید — کس طرح پہچانتے خوشیوں کو ہم

پس نہانیہا بضد پیدا شود — [1] اپنی ضد سے ہے ہر اک شے جلوہ گر
چونکہ حق رانیست ضد پنہاں بود — ضد نہ ہو جس کی وہ کیوں آئے نظر

نورِ حق را نیست ضدّے در وجود — نورِ حق کی جب کوئی ضد ہی نہیں
تابضد اُورا تواں پیدا نمود — وہ ہمیں کیسے نظر آئے کہیں

لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ جزم — [2] دیدِ حق کی ہے کسے تاب و تواں
وَ ھُوَ یُدْرِکُ بیں از موسیٰ و کہ — طور اور موسیٰ کی پڑھ لو داستاں

چوں ز دانش موجِ اندیشہ بتافت — عقل سے موجِ تخیل جب اُٹھی
از سخن آواز و صورت بساخت — بات اور آواز میں وہ ڈھل گئی۔

از سخن صورت بزاد و باز مُرد — بات بھی آواز بن کر کھو گئی
موج خود را باز اندر بحر بُرد — لہر تھی اُٹھی گری گم ہوگئی

صورت از بے صورتے آمد بروں — [3] جب بھی بے صورت سے اک صورت بنی
بازشد اِنَّا اِلَیہِ راجعون — اُس کی جانب لوٹنا تھا چل بسی

[1] ہر چیز کی پہچان اس کی ضد سے ہوتی ہے دن کی پہچان رات سے اور نیک کی پہچان بد سے ہے۔
[2] جلوہ حق کو دیکھنے کی ہر کسی میں تاب و تواں نہیں ہوتی۔ اس حقیقت کو جاننے کے لیے قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ اور کوہِ طور کا واقعہ پڑھو۔
جب جلوہ خداوندی سے حضرت موسیٰ بے ہوش ہو گئے اور کوہِ طور جل کر سیاہ ہوگیا۔
[3] دنیا میں جو چیز بھی صورت اختیار کرتی ہے بالآخر فنا ہو کر اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔

پس ترا ہر لحظہ مرگ و رجعتے ست ۱ ہر نفس اور ہر گھڑی ہے موت کی
مصطفیؐ فرمودہ دنیا ساعتے ست "زندگی ہے ایک پَل" قولِ نبیؐ

ہر نفَس نو می شود دنیا و ما ہر گھڑی دنیا بدلتی ہے مگر
بے خبر از نوشدن اندر بقا ہم ہیں اس ردّو بدل سے بے خبر

عمر ہمچوں جوئے نو نو میرسد ۲ جاں تمہارے جسم میں ہے یوں رواں
مُستمرّے می نماید در جسد جس طرح ہو آبجو پیہم رواں

۱ آنحضورؐ کا ارشاد ہے کہ زندگی ایک پل سے زیادہ نہیں۔ موت کسی وقت بھی آسکتی ہے۔

۲ جس طرح نہر کا پانی رواں رہتا ہے لیکن سطح آب سے اس کی روانی ظاہر نہیں ہوتی اسی طرح ہماری زندگی ہر لحظہ بدلتی رہتی ہے یعنی ہم فنا کے قریب تر ہوتے رہتے ہیں لیکن ہمیں اس کی خبر نہیں ہوتی۔

قول

وعدہ ہا باشد حقیقی دل پذیر   قولِ پختہ جان و دل کی تازگی
وعدہ ہا باش مجازی تاسہ گیر   قولِ بے ضمان باعث وارفتگی

وعدۂ اہلِ کرم گنجِ رواں   اہلِ دل کا قول ہے گنجِ رواں[1]
وعدۂ نا اہل شد رنجِ رواں   اور قولِ بے بضاعت رنجِ جاں

وعدہ ہا باید وفا کردن تمام   [2] قول کو جیسے بھی ہو پورا کریں
ورنخواہی کرد باشی سرد و خام   جو نہ کر پائیں وہ ناپختہ رہیں

وعدہ کردن را وفا باشد بجاں   جان و دل سے کیے وعدہ وفا
تابہ بینی در قیامت فیضِ آں   روزِ محشر پایئے اس کی جزا

[1] قارون کے ایک خزانے کا نام ہے۔ اہل دل کا وعدہ اُس خزانے کی طرح بے بہا ہوتا ہے اور خوشنودی کا باعث جب کہ نا اہل کا وعدہ مایوسی کا سبب بنتا ہے۔

[2] ایفائے وعدہ شیوۂ پیغمبری ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

لا تمار اخاک ولا تمارحہ ولا موعدۃ فتخلفہ

(تو اپنے بھائی سے جھگڑا مت کر اور نہ اس سے اس وجہ مزاح کر کہ اُسے تکلیف ہو اور نہ اُس سے کوئی وعدہ کر کے اسکے خلاف (کام) کر۔

خالق ومخلوق

اشکِ دیدہ است از فراقِ تو دواں　　تیری فرقت میں ہیں آنکھیں اشکبار
آہ آہ ست ازمیانِ جاں رواں　　مبتلائے آہ و زاری جانِ زار

ماچو چنگیم و تو زخمہ میزنی　　[1] ساز ہیں ہم اور تم مضراب کار
زاری ازمانے تو زاری می کنی　　ہم نہیں گریاں تمہیں ہو اشکبار

ماچو نائیم و نوا در ماز تست　　[2] ہم ہیں نَے اور تم نوائے مست مست
ماچو کوہیم و صدا در ماز تست　　ہم ہیں کوہ اور تم صدائے باز گشت

ماچو شطرنجیم اندر بردومات　　ہم تو مہرے ہیں بساطِ زیست پہ
بردوماتِ ماز تست اے خوش صفات　　تیری ہی منشا سے ہیں زیر و زبر

بادِ ماو بودِ ما از دادِ تست　　ہے عطا تیری ہماری ہست و بود
ہستیِ ما جملہ از ایجادِ تست　　تیری ہی قدرت سے ہے اپنا وجود

لذتِ ہستی نمودی نیست را　　[3] تو نے ہی ناپید سے پیدا کیا
عاشقِ خود کر دہ بودی نیست را　　پھر اُسے خود اپنا ہی شیدا کیا

لذّتِ انعامِ خود را وامگیر　　بخشش و انعام کو واپس نہ لے
نُقلِ خمرو جامِ خود را وامگیر　　رحمتوں کے جام کو واپس نہ لے

[1] بندہ کو گریہ وزاری کی توفیق بھی حق تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے اس لیے گویا زاری اسی کا فعل ہے۔

[2] ہم بانسری ہیں اور تم بانسری کی مستی بھری آواز۔ ہم پہاڑ ہیں اور تم پہاڑ سے ٹکرا کر پیدا ہونے والی صدائے بازگشت۔

[3] اس شعر میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔
أخذ ربک من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم
(اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی تمام آنے والی اولاد کو بروز میثاق پیدا کرکے ان سے اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ انہوں نے جواب دیا بے شک آپ ہمارے پروردگار ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ وہ مخلوق ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی تھی حق تعالیٰ نے یوم میثاق میں اس کو اپنا گرویدہ اور اپنی اُلوہیت کا قائل بنالیا۔

ورنگیری کیست جُست و جُو کند   چھین لے سب کچھ تو کیوں ہو گلا
نقش بانقاش چوں نیرو کند   نقش تو محتاج ہے نقاش کا

منگر اندر ماکن درما نظر   میرے اندر کچھ نہیں اے ذی قدر
اندر اکرام و سخائے خود نگر   اپنے الطاف و کرم پہ رکھ نظر

پیشِ قدرت خلقِ جملہ بارگہ   ہم ہیں یوں قدرت کیا آگے ناتواں
عاجزاں چوں پیشِ سوزن کارگہ   جیسے بے بس سوئی کے آگے کتاں

گاہ نقشِ دیو و گہ آدم کند   وہ کبھی شیطاں کبھی انساں بنائے
گاہ نقشِ شادی و گہ غم کند   وہ کبھی غمگیں کبھی شاداں بنائے

دست نے تا دست جنباند بدفع   [1] روک لے دستِ قضا کس کی مجال
نطق نے تا دم زند از ضر و نفع   نفع و نقصان پہ کیوں ہو قیل و قال

تو ز قرآن باز خواں تفسیر بیت   [2] پھر پڑھو قرآں میں ارشادِ خدا
گفت ایزد "مارمیت" اذ رمیت   "پھینک کر بھی تو نہیں ہے پھینکتا"

[1] اس شعر میں مولانا قرآن حکیم کی دو آیات کا مفہوم بیان فرماتے ہیں جس میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ
والله یحکم لا معقب لحکمه   (کوئی شخص اُس کے حکم کو نہیں ٹال سکتا)
اور دوسرے جگہ ارشاد قرآنی ہے:
ولا یسئل عما یفعل و هم یسئلون   (وہ جو کچھ کرتا ہے اُس کی باز پرس نہیں کی جا سکتی۔)

[2] قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ   مارمیت اذ رمیت لکن الله رمی
(تم نے جو کنکریں پھینکی تھیں وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں)

التجا

کوہ و دریا جملہ در فرمانِ تست　　کوہ و دریا تابعِ فرماں ترے
آب و آتش اے خداوند آنِ تست　　آگ اور پانی بھی مدحت خواں ترے

گر تو خواہی آتش آب خوش شود　　[1] تو جو چاہے آگ کو پانی کرے
ور نخواہی آب ہم آتش شود　　گر نہ چاہے آب بھی آتش بنے

بے طلب تو ایں طلب ماں دادۂ　　تو نے بن مانگے ہمیں سب کچھ دیا
بے شمار وحد عطا بنہادۂ　　تیری بخشش کی ہے کوئی انتہا

با طلب ندہی چوں اے حیّ و دود　　کیوں تہی رکھے گا تو دستِ سوال
کز تو آمد جملگی جود و وجود　　ہیں تجھی سے سب کرم اے ذوالجلال

در عدم کے بود مارا خود طلب　　ہم نے کچھ مانگا نہ تھا پر اے خدا
بے سبب کردی عطا ہائے عجب　　کیں عدم میں نعمتیں کیا کیا عطا

جان و ناں دادی و عمرِ جاوداں　　رزق بخشا اور عمرِ جاوداں
سائرِ نعمت کہ ناید در بیاں　　کیسے تیری نعمتوں کا ہو بیاں

بے شمار وحدعطاہا دادۂ　　اَن گنت لطف و کرم تو نے کئے
بابِ رحمت برہمہ بکشادۂ　　ہر کسی پر بابِ رحمت کھل گئے

ایں طلب درما ہم از ایجادِ تست　　[2] مانگتا ہوں تجھ سے ہے احساں ترا
رستن از بیداد یا رب دادِ تست　　دی پہمہ بیداد سے تو نے خدا

[1] اللہ تعالیٰ دنیا کی ہر چیز کا مالک ہے جو اس کے احکام کی تابع ہے اسی کے حکم سے آتشِ نمرود بھی ابراہیم علیہ السلام کے لیے گلزار بن گئی۔
اس شعر میں آگ سے مراد تکلیف کے اسباب اور آب سے مراد راحت کے اسباب۔

[2] یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں یہ توفیق بخشی کہ ہم اس کے آگے دستِ سوال پھیلائیں اور اُس سے کچھ طلب کریں۔

بے طلب ہم مید ہی گنجِ نہاں   بے طلب دیتا ہے تو گنجِ نہاں
رائیگاں بخشیدۂ جانِ جہاں   بے عوض بخشی ہے جانِ جہاں

لھٰذا اُبْعم اِلیٰ دارالسّلام   خلد تک یہ لطف فرما اے خدا
بالنّبی المصطفٰےؐ خیرالانام   صدقۂ حضرت محمدؐ مصطفٰے

حدیث مبارک

"من یجلس مع اللہ فلیجلس مع اھل التصوف"

کا بیان

(جو اللہ کے ساتھ بیٹھنے کا ارادہ کرے وہ اہلِ تصوف کے ساتھ بیٹھے۔)

سیل چوں آمد بدریا بحر گشت [1]   سیل دریا سے ملا احسن ہوا
دانہ چوں آمد بمزرع کشت گشت   دانہ کھیتی میں گرا خرمن ہوا

چوں تعلق یافت ناں باابوالبشر   نان کو آدم سے جب نسبت ہوئی
نانِ مردہ زندہ گشت و باخبر   بن گئی پژمردگی بھی زندگی

موم و ہیزم چوں فدائے نار شد [2]   موم و ہیزم آگ پہ ہو کر فدا
ذاتِ ظلمانی اُو انوار شد   بے ضیا تھے اب ہیں سرتاپا ضیا

سنگِ سرمہ چونکہ شد در دیدہ گاں [3]   سرمہ بن کے سنگ آنکھوں میں سجا
سنگِ بینائی شد انجا دیدہ باں   پاسباں پتھر بنا ہے نور کا

اے خوشا آں مردِ کز خود رستہ شد   اے خوشا جس نے کیا خود کو فنا
در وجودِ زندۂ پیوستہ شد   اور اہلِ دل سے وابستہ ہوا

وائے آں زندہ کہ بامُردہ نشست   حیف جو مردہ دلوں کا ہو گیا
مردہ گشت و زندگی ازوے بجست   مٹ گیا دنیا و دیں سب کھو دیا

[1] جب سیلاب کا ریلا دریا میں گرتا ہے تو اُسے وسعت حاصل ہو جاتی ہے جس طرح ایک دانہ کھیت میں گرتا ہے تو اس سے بھرپور فصل پیدا ہوتی ہے۔

[2] موم اور جلی ہوئی لکڑی جب اپنی ذات آگ کی نذر کرتی ہے تو روشنی پیدا ہوتی ہے۔ فیضِ صحبت سے زندگی منور ہو جاتی ہے۔

[3] پتھر پس کر سرمہ بنا اور آنکھوں میں سجا۔ یعنی پتھر آنکھوں کے نور کا محافظ بنا۔ یہ بھی فیضِ صحبت کا اثر ہے۔

چوں تو در قرآنِ حق بگریختی تو نے جب قرآن کو اپنا لیا
باروانِ انبیاء آمیختی انبیاء کی روح کو بھی پا لیا

ہست قرآں حالہائے انبیاء پُر ہے قرآں انبیاء کے حال سے
ماہیانِ بحرِ پاکِ کبریا [1] ہیں سبھی بیراک بحرِ پاک

ور بخوانی ونہ قرآن پذیر [2] وردِ قرآں بے عمل بھی سود مند
انبیاء و اولیاء را دیدہ گیر دید جیسے انبیاء کی سود مند

خویش را رنجور سازو زار زار [3] زندگی کو رنج و غم کی دو نوید
تاترا بیروں کند از اشتہار عارضی ہے یہ نمودِ زر خرید

کاشتہارِ خلق بندِ محکم است [4] ظاہری شہرت ہے تیری بند پا
در رہِ ایں از بندِ آہن کے کم است آہنی زنجیر جیسے بندِ راہ

[1] قرآن حکیم میں تمام انبیاء کے احوال درج ہیں جو بحرِ وحدت کی مچھلیوں کی طرح ہیں۔
[2] جس طرح انبیاء کی زیارت باعثِ برکت ہے اسی طرح قرآن حکیم کی تلاوت بھی باعثِ رحمت ہے۔
[3] زندگی کو آسائش سے پاک کر اس لیے کہ یہ سب کچھ عارضی ہے۔ رنج و غم برداشت کرتا کہ تو دنیاوی نمود و نمائش سے نجات پا سکے۔
[4] دنیاوی شہرت تیرے پاؤں کی زنجیر ہے۔ یہ تجھے راہِ حق پر چلنے اور عجز و انکسار اختیار کرنے سے روکتی۔

علم

علمہائے اہلِ دل حمالِ شاں [1] اہلِ دل کا عِلم اُن کے زیرِ کار
علمائے اہلِ تن احمالِ شاں اہلِ تن کا عِلم اُن کے سر کا بار

علم چوں بر دل زند یارے شود [2] دل سے نسب ہو تو یارِ غارِ علم
علم چوں بر تن زند بارے شود تن سے نسبت ہو تو ہے انبارِ علم

علم کاں نبود زھو بے واسطہ [3] علم کا گر ہو نہ رَب سے ارتباط
آں نپاید ہمچو رنگِ ماشطہ رنگِ مشاطہ کی صورت بے ثبات

لیک چوں ایں بار را نیکو کشی گر اٹھایا حسن و خوبی سے یہ بار
بار برگیرند و بخشندت خوشی بار کم اور ہونگی خوشیاں بیشمار

ہیں بکش بہرِ خدا ایں بارِ عِلم علم سے راہِ خدا میں کام لو
تابہ بینی در دروں انبارِ عِلم تا کہ تم خود بھی سراپا علم ہو

ہیں مکش بہرِ ہوا ایں بارِ عِلم دور رکھ حرص و ہوا سے بارِ علم
تاشوی راکب تو بر رہوارِ عِلم تا کہ قابو میں رہے رہوارِ علم

چونکہ بر رہوارِ علم آئی سوار [4] آ گیا قابو میں جب رہوارِ علم
بعد ازاں افتد ترا از دوش بار ہلکا ہو جائے گا تیرا بارِ علم

[1] اہلِ دل اپنے علم کو دنیا و عقبٰی کی بھلائی کے لیے کام میں لاتے ہیں جب کہ اہلِ دنیا اس سے دنیاوی منفعت حاصل کرتے ہیں جس سے حقیقی اطمینانِ قلب مشکل سے ہی ملتا ہے۔

[2] جو علم دل کو اطمینان پہنچائے وہ بہترین دوست ہوتا ہے اور جو علم دنیاوی خواہشات کی تکمیل کا ہو جب ہو وہ سر کا بوجھ ثابت ہوتا ہے۔

[3] جس علم کا واسطہ اللہ سے نہ ہو وہ بالوں میں مشاطہ کے لگائے ہوئے رنگ کی طرح ناپائیدار ہوگا۔

[4] جب علم کی قوت کو بھلائی کے لیے استعمال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس نعمت کی ذمہ داریوں کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔

قادرِ مطلق، کارساز

ناگزیر جملہ گاں حق قدیر   قادرِ مطلق سبھی کا کار ساز
لایزال ولم یزل فرد و بصیر   دائم و قائم وحید و بے نیاز

با چناں قادر خدائے کز عدم   جو عدم سے لمحہ بھر میں بے گماں
صد چو عالم ھست گرداند بدم   پیدا کرسکتا ہے ایسے سو جہاں

صدچو عالم در نظر پیدا کند   [1] اک نظر میں سو جہاں آئیں نظر
چونکہ حشمت را بخود بینا کند   چشمِ بینا بخش دے جب ذی قدر

گر جہاں پیشت بزرگ و بے تنے ست   تو نے دنیا کو وسیع جانا و لے
پیشِ قدرت ذرّہ میداں کہ نیست   یہ ہے اک ذرّہ خدا کے سامنے

ایں جہاں خود حبسِ جانہائے شماست   قید ہیں دنیا میں تیرے جسم و جاں
ہیں دوید آنسو کہ صحرائے خداست   [2] چل اُدھر ہے وادیٔ رحمت جہاں

ایں جہاں محدود آں خود بیحدست   [3] یہ جہاں محدود وہ بے انتہا
نقش و صورت پیش آں معنیٰ سدست   نقشِ ہستی راہِ حق میں بندِ پا

صد ہزاراں نیزۂ فرعون را   [4] انگشت فرعون کے نیزے جھکے
درشکست آں موسیٰ بایک عصا   اِک عصائے موسوی کے سامنے

[1] اہلِ معرفت کے دل پر جب عالم غیب سے جسے عالم امر کہتے ہیں اسرار معرفت وارد ہوتے ہیں تو ان کے باطنی کشفات کا سلسلہ اس قدر وسیع ہوجاتا ہے کہ اس میں سینکڑوں عالم سما جائیں اور اس کے سامنے یہ عالم جس کا دوسرا نام عالم خلق ہے بہت تنگ و محدود نظر آئے۔

[2] یہ دنیا قید خانہ ہے جہاں ہم مقررہ مدت کیلئے آتے ہیں اس لیے مولانا فرماتے ہیں کہ اُس جہاں سے رجوع کرو جو دائمی ہے اور جہاں رحمت خداوندی کی فراوانی ہے۔

[3] یہ جہاں اور اس کی ہر چیز محدود ہے جب کہ عالم بالا بے انتہا ہے۔

[4] اس شعر میں مولانا حضرت موسیٰ کے اس معجزہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو فرعون کے دربار میں رونما ہوا۔

صد ہزاراں طبِ جالینوس بُود   [1] طبِ جالینوس کے صد ہا گہر
پیشِ عیسیٰ و دمش افسوس بُود   اک دمِ عیسیٰ کے آگے بے اثر

صد ہزاراں دفترِ اشعار بُود   [2] شاعروں کے انگنت دیوان بھی
پیشِ حرفِ امیئے اش عار بُود   حرفِ اُمّی کے مقابل تھے تہی

باچناں غالب خداوندے کسے   کیوں نہ کوئی ایسے قادر کے حضور
چوں نمیرد گرنباشد اُوخسے   خاک ہوجائے اگر ہو ذی شعور

اے بسا گنج آگنانِ گنج گاؤ   سیم و زر کا جو بھی شیدائی ہوا
کاں خیال اندیش را شد ریشِ گاؤ   دہر میں وہ وقفِ رسوائی ہوا

زر و نقرہ چیست تا مفتوں شوی   کیوں کوئی ہو سیم و زر پہ جاں نثار
چیست صورت تا چنیں مجنوں شوی   شکل و صورت کیلئے ہو دلفگار

ایں سراباغِ تو زندانِ تست   یہ محل یہ باغ سب زندان ہیں
مُلک و مالِ تو بلائے جانِ تست   مال و دولت بھی بلائے جان ہیں

روح می پرّد سوئے عرشِ بریں   روح سوئے عرش لیجاتی ولے
سوئے آب و گل شدی در اسفلیں   تم زمیں کی پستیوں میں جاگرے

خویشتن را تو مسخ کردی زیں سفول   تم کہ تھے رشکِ ملائک عرش پہ
زاں وجودے کہ بُدآں رشکِ عقول   پستیوں میں ہوگئے ہو پست تر

چند گوئی من بگیرم عالمے   کب تلک یہ ملک گیری کی ہوس
ایں جہاں را پُر کنم از خودہے   اور جہاں میں خود نمائی کی ہوس

[1] اب مولانا حضرت عیسیٰ کے معجزہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کی ایک پھونک سے مردہ زندہ ہوجاتے تھے اور اس معجزہ کے سامنے مصر کے معروف ترین حکیم جالینوس کی مہارت بھی ہیچ تھی۔

[2] عرب کے سینکڑوں بلند مرتبہ شعرا کا کلام آنحضورؐ جو کہ اُمّی تھے ان کے ایک حرفِ دانش کے مقابلہ میں بے معنی نظر آتا ہے۔

گر جہاں پُر برف گردد سربسر ۱ برف سے ڈھک جائے گر سارا جہاں
تابِ خور بگدازدش از یک نظر اِک نگاہِ مہر سے آب رواں

عینِ آں تخییل را حکمت کند ۲ فہم کو بخشے وہ حکمت کی جلا
عینِ آں زہراب را شربت کند اور بنائے زہر کو آبِ صفا

در خرابی گنجہا پنہاں کند ۳ مال و دولت دشت میں پنہاں رکھے
خار را گل جسمہارا جاں کند خار کو گُل اور تن کو جاں کرے

آں گماں انگیز را سازد یقیں ۴ وہ گماں کو ہے یقیں میں ڈھالتا
مہر ہا رُویاند از اسبابِ کیں بخشتا ہے بُغض کو رنگِ وفا

پرورد در آتش ابراہیم را ۵ دے پنہ آتش میں ابراہیم کو
ایمنی روح سازد بیم را وجہِ اطمینان خوف و بیم ہو

از سبب سازیش من سودائیم ہوش گُم اُس کی سبب سازی سے ہے
از سبب سوزیش من فسطائیم عقل گُم اُس کی سبب سزی سے ہے

در سبب سازیش سرگرداں شدم اس سبب سازی پہ سرگرداں ہوں میں
در سبب سوزیش ہم حیراں شدم اور سبب سوزی پہ بھی حیراں ہوں میں

۱ سابقہ شعر میں ہوسِ اقتدار کے حوالے سے مولانا فرماتے ہیں کہ تو کب تک دنیا جہان کو اپنے اقتدار میں رکھنا چاہتا ہے اگر ایسا ہو بھی جائے تو خدا کی نگاہِ جلال کے سامنے تیرا اقتدار برف کے انبار سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جو چند لمحوں میں پانی پانی ہو کر بہہ جائے گا۔

۲ حق تعالیٰ جب چاہے عقلِ انسانی کو جلا بخشے اور زہر کو شفا دینے کی قوت عطا فرمائے۔

۳ حق تعالیٰ نے بیش بہا خزانے زمین کے نیچے چھپا رکھے ہیں وہ جب چاہے اپنی قدرت سے کانٹے کو پھول بنائے اور مردہ جسم کو زندگی عطا کرے۔

۴ خدائے قادرِ مطلق جب چاہتا ہے انسان کے دل و دماغ میں وہم و گماں کو یقین میں بدل دیتا ہے اور بُغض و عناد کو محبت میں تبدیل کر ڈالتا ہے۔

۵ اس شعر میں اُس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب نمرود نے ابراہیمؑ کو آگ میں کودنے کا حکم دیا تو حضرت ابراہیمؑ کے قدم رکھتے ہی آگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے گُل و گلزار بن گئی۔ اللہ جب چاہے خوف و خطر میں امید و اطمینان پیدا کر دیتا ہے۔

رزقِ حلال

لقمہ کاں نور افزود و کمال جس سے حاصل ہو تجھے عز و کمال
آں بود آوردہ از کسبِ حلال ہے حقیقت میں وہی رزقِ حلال

روغنے کا ید چراغ ماکشد تیل جو روشن دیئے کو گُل کرے
آب خوانش چوں چراغے راکشد ہے بجا گر تو اُسے پانی کہے

علم و حکمت زاید از لقمہ حلال علم و حکمت کا سبب رزقِ حلال
عشق و رِقت زاید از لقمہ حلال پاکیِ دل کا سبب رزقِ حلال

چوں زِ لقمہ تو حسد بینی مدام [1]لے دے جنم جہل و حسد کو گر مدام
جہل و غفلت زاید آنراداں حرام جان لے تو ایسی روزی ہے حرام

بیج گندم کاری و جو بر دہد کب بھلا گندم سے جو پیدا ہوا
دیدۂ اَسپے کہ کرہ خر دہد کب بھلا گھوڑی نے ہے خر کو جنا

لقمہ تخم است و برش اندیشہا [2]بیج ہے رزق اور ثمر تیرا شعور
لقمہ بحرو گوہرش اندیشہا بحر ہے رزق اور گُہر تیرا شعور

زاید از لقمہ حلال اندر دہاں ہونگے پیدا رزقِ پاکیزہ سے ہی
میلِ خدمت عزمِ رفتن آں جہاں [3]فکرِ عقبیٰ اور میلِ بندگی

زاید از لقمہ حلال اے مہ حضور رزقِ پاکیزہ سے اے میرے حضور
در دلِ پاک تو و در دیدہ نور ہونگے تیرے دیدہ و دل نور نور

[1] ایسی روزی جس سے زندگی میں بُرائیاں جنم لیں وہ رزقِ حرام ہے۔
[2] رزقِ حلال سے پاکیزہ شعور کا پھل حاصل ہوتا ہے۔ رزقِ حلال اک بحر ہے جس کی تہہ میں پاکیزہ شعور کے موتی پڑے ہیں۔
[3] آخرت کی فکر اور عبادت کا رجحان اس وقت پیدا ہوتا ہے جب زندگی رزقِ حلال سے پرورش پائے۔

نعتِ تعظیمِ مُصطفٰےؐ کہ در انجیل بود

(حضرت مصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا بیان جو انجیل میں درج تھا)

بود در انجیل نامِ مصطفٰےؐ — نام تھا انجیل میں اُس شاہ کا
آں سرِ پیغمبراں بحرِ صفا — جو ہیں شاہِ مرسلیں بحرِ صفا

بُود ذکرِ حلیہ ہا و شکلِ اُو — تھا مفصل ذکر ذاتِ پاک کا
بُود ذکرِ غزو و صوم و اکلِ اُو — اور جہاد و روزہ و خوراک کا

طائفہ نصرانیاں بہرِ ثواب — چند نصرانی بطورِ احترام
چوں رسیدندے بداں نام و خطاب — والہانہ دیکھ کر وہ پاک نام

بوسہ دادندے بداں نامِ شریف — چومتے چہرے سے مَلتے بار بار
رُو نہادندے بداں وصفِ لطیف — اُس مصفّا نام کو بے اختیار

اندریں فتنہ کہ گفتم آں گروہ — گو گھرے تھے پُر خطر حالات سے
ایمن از فتنہ بُدند و از شکوہ — پَر رہے محفوظ سب خطرات سے

ایمن از شرِّ امیراں و وزیر — حاکموں کے ظلم سے پائی اماں
در پناہِ نامِ احمدؐ مُستجیر[1] — نامِ احمدؐ کو بنا کر سائباں

نسلِ ایشاں نیز ہم بسیار شد[2] — نسل پھیلی اور ہوئے وہ سرفراز
نُورِ احمدؐ ناصر آمد یار شد — نورِ احمدؐ تھا رفیق و کارساز

[1] درپناہِ نامِ احمدؐ میں یہ نکتہ مرکوز ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی جو انجیل میں آیا ہے وہ سریانی زبان کا لفظ ہے اور اس کا صحیح ترجمہ احمدؐ ہوتا ہے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنی اُمت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت اسی نامِ مبارک سے دی۔

[2] جب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نامِ مبارک کے ساتھ حسنِ عقیدت اور تعظیم بجالانے کی یہ برکت ہے کہ وہ گروہ مفسدوں کے فتنے اور مکاروں کے مکر سے محفوظ رہا تو خود نام والے کی صحبت سے فیض یاب ہونے اور ان کے حضور تعظیم و احترام کرنے والوں کو کیا کیا نعمتیں حاصل نہ ہوئی ہوں گی۔

واں گروہِ دیگر از نصرانیاں اک گروہ نصرانیوں کا تھا وہاں
نامِ احمدؐ داشتندے مُستہاں نامِ احمدؐ کا نہ تھا جو قدرداں

مستہان و خوار گشتند آں فریق بارِ ذلت سے ہوا معدوم وہ
گشتہ محروم از خود و شرطِ طریق دین و دنیا سے ہوا محروم وہ

ہم مُخبّط دین شان و حکم شاں کج بیانی سے سبھی کچھ لٹ گیا
ازپے طومار ہائے کژ بیاں مذہب و قانون کا دم گھٹ گیا

نامِ احمدؐ چوں چنیں یاری کند نامِ احمدؐ ہے جب اتنا چارہ ساز
تا کہ نورش چوں مدد کاری کند نورِ احمدؐ ہوگا کتنا چارہ ساز

نامِ احمدؐ چوں حصارے شد حصیں نام ہے احمدؐ کا جب سنگیں حصار
تاچہ باشد ذاتِ آں روح الامیں ہوگا روحِ پاک کتنا پاسدار

قصۂ فریاد رسیدن رسول اللہؐ کاروانِ عرب را

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عرب کاروان کی فریادرسی کا قصہ)

اندر آں وادی گروہے از عرب	کچھ عرب تھے ایک وادی میں مکیں
خشک شد از قحطِ باراں شاں قرب	قحط سے سب اُن کی مشکیں خشک تھیں
درمیانِ آں بیاباں ماندۂ	اس بیاباں میں پڑاؤ ڈال کر
کاروانے مرگ برخود خواندۂ	تھے وہ اپنی موت کے خوش نامہ بر
ناگہانے آں مغیثِ ہر دو کون	دو جہاں کے حامی و حاجت روا
مصطفےؐ پیدا شد از رہ بہرِ عون	ناگہاں پہنچے مدد کو مصطفےؐ
دید آں جا کاروانے بس بزرگ	آپؐ نے دیکھا بڑا سا کارواں
بر کفِ ریگ و رہِ صعب و سترگ	تپتی ریت اور سخت رستہ پر وہاں
اشتراں شاں را ز باں آویختہ	اونٹ سارے پاس سے بے حال تھے
خلق اندر ریگ ہر سو ریختہ	قافلے والے بھی خستہ حال تھے
رحمش آمد گفت ہیں زو تر روید	رحم آیا اور کہا جلدی کرو
چند یارے سوئے آں کثباں دوید	دور اُن ٹیلوں کی جانب بھاگ لو
کہ سیا ہے بر شتر مشک آورد	آرہا ہے مشک لے کر اک غلام
سوئے میرے خود بزودی می بَرد	اپنے آقا کے لیے وہ تیز گام
آں شتر بانِ سیہ را با شتر	اُس شتربان اور شتر کو جا کے لاؤ
سوئے من آرید بافرمانِ مُر	میرا فرماں ہے اُسے جا کر بتاؤ

سوئے کثباں آمدند آں طالباں   پہنچے جب ٹیلوں پہ وہ تشنہ وہاں
بعد یک ساعت بدیدند آں چناں   لحہ بھر میں تھا وہی منظر

بندۂ می شد سیہ با اشترے   ایک حبشی جارہا تھا اونٹ پہ
راویہ پُر آب چوں ہدیہ بُرے   مشک میں پانی لئے جوں تحفہ بر

پس بدو گفتند می خواند ترا   اس سے بولے تجھ کو بلواتے ہیں آ
ایں طرف فخر البشر خیر الوریٰ   اُس طرف فخر البشر خیر البشر الوریٰ

گفت من نشناسم اُورا کیست اُو   "کون ہے کیا جانئے" اُس نے کہا
گفت اُو آں ماہ روئے تند خُو   بولے " وہ ہیں ماہ رُو شیریں ادا"

سید و سرور محمدؐ نورِ جاں   سیدو سرور محمدؐ نورِ جاں
مہتر و بہتر شفیعِ مجرماں   اعلیٰ و بالا شفیعِ مجرماں

نوعہا تعریف کردش کہ ہست   اور بیاں کیں ان کی ساری خوبیاں
گفت ما نا اُو مگر آں ساحرست   "بس وہی ساحر ہے" بولا شتر باں

کہ گرو ہے را زبوں کرد آں بسحر   اک گروہ ہے جس کے جادو کا غلام
من نیایم جانبِ اُو نیم شبر   میں نہ لوں گا اس کی جانب ایک گام

کشکشانش آوریدند آں طرف   اس کو تاہم کھینچ ہی لائے اُدھر
اُو فغاں برداشت در تشنیع و تُف   گرچہ کرتا ہی رہا و شور و شر

چوں کشیدندش بہ پیش آں عزیز   جیسے ہی پہنچا و ان کے رُوبرو
گفت نوشید آب و برداریدِ نیز   آپ بولے "پانی پی کر لے بھی لو"

جملہ را زاں مشک اُو سیراب کرد   مشک سے ہر ایک کو پانی دیا
اشتران و ہر کسے زاں آب خورد   شتر و انساں سب نے جی بھر کر پیا

راویہ پُر کردہ مشک از مشکِ اُو　　مَشک سے مشکیں پکھالیں سب بھریں
ابرِ گردوں خیرہ شد ز رشکِ اُو　　1 بدلیاں بھی رشک سے حیراں ہوئیں

این کے دیدست کز یک راویہ　　ایک مَشکیزے سے دیکھا ہ کبھی
سرد گردد سوزِ چندیں بادیہ　　اتنے پیاسوں کی بجھی ہو تشنگی

این کے دیدست کز یک مشکِ آب　　2 ایک مشکیزے سے دیکھا ہے کہیں
گشت چندیں مشک پُر بے اضطراب　　بے تردّد اتنی مَشکیں ہوں بھریں

مشکِ خود روپوش بود و موجِ فضل　　مشک پوشیدہ تھی اور موجِ کرم
می رسید از امرِ اُو از بحرِ اصل　　بحرِ حق سے آ رہی تھی دمبدم

آب از جوشش ہمیگردد ہوا　　گرمیِ حق سے کبھی پانی ہوا
واں ہوا گردد ز سردی آبہا　　اور ٹھنڈک سے کبھی پانی ہوا

بلکہ بے اسباب و بیروں زیں حِکم　　بلکہ اِن اسباب و حکمت کے سوا
آب رویانید تکویں از عدم　　فیضِ حق سے آب پیدا ہوگیا

تو ز طفلی چوں سببہا دیدۂ　　3 تھی سدا اسباب پہ تیری نظر
درسبب از جہل بر چفیدۂ　　کھو گئے اسباب میں اے بے ہنر

باسببہا از مُسبّب غافلی　　اُس مُسبّب سے بھی تم غافل ہوئے
سوئے ایں روپوشہا زاں مائلی　　ایسے اِن اسباب پہ مائل ہوئے

چوں سببہا رفت بر سری زنی　　جب مٹے اسباب تو نالاں ہوئے
ربّنا و ربّنا ہا می کنی　　میرے رب اے میرے رب کہنے لگے

1 آنحضورؐ کی برکت سے پانی اتنا بڑھ گیا کہ ابر کو مشکیزہ پر رشک آنے لگا۔ 2 دراصل یہ پانی مشک کا نہ تھا۔ مشک تو ایک آڑ اور پردہ تھی پانی تو چشمۂ غیب سے آ رہا تھا۔ یہاں سے مولانا اگلے چند اشعار میں انسان کے ظاہری اسباب پر تکیہ کرنے اور پھر ناکامی کے باعث مسبب الاسباب حقیقی کی طرف لوٹنے کا ذکر کرتے ہیں۔ 3 چونکہ انسان کی نظر بچپن سے ہی اشیاء کے وجود میں اس کے کسی سبب سے متعلق کرتی ہے اس لیے اس وقت بھی اس کی نظر مشک پر تھی اور وہ حیران تھا کہ مشک سے اس قدر پانی کیسے آنے لگا۔ وہ مسبب الاسباب کی قدرت کو بھول گیا۔

رب می گوید برو سوئے سبب   ڈھونڈ اُن اسباب کو رب نے کہا
چوں زِ نعم یاد کردی اے عجب   میری قدرت یاد آئی کیوں بھلا

گفت زیں پس من ترا بینم ہمہ   [1] بولا اب ہوگا ترا ہی آسرا
ننگرم سوئے سبب واں خدعتہ   دھوکا کھاؤنگا نہ اب اسباب کا

گوہدش رُدُّوا لَعَادُوا کارتست   رب نے فرمایا کہ اے توبہ شکن
اے تو اندر توبہ و میثاق سُست   توڑنا توبہ کا ہے تیرا چلن

لیک من آں ننگرم رحمت کنم   [2] پھر بھی تجھ پر رحم کرتا ہوں سدا
رحم پُرست بر رحمت تنم   میری رحمت کی نہیں انتہا

ننگرم عہد بدت بدہم عطا   بھول کر تیری خطا کی ہے عطا
از کرم ایں دم چومیخوانی مرا   جب بھی کی تو نے کرم کی التجا

از من آید جملہ احسان و وفا   مجھ سے تو پاتا ہے احسان و وفا
از تو بدعہدی و تقصیر و خطا   تجھ سے ملتے ہیں مگر جرم و خطا

حاصل آنکہ در سبب پیچیدۂ   [3] الغرض اسباب میں تو کھو گیا
لیک معذوری ہمیں را دیدۂ   تو نہیں لیکن حقیقت آشنا

قافلہ حیراں شدند از کار او   [4] دیکھ کر حیراں تھے اہلِ قافلہ
یا محمدؐ چیست ایں اے بحر خو   اے محمدؐ اے سخی یہ سب ہے کیا

کردۂ رو پوش مشکِ کُرد را   ایک مشیزے سے ایسا معجزہ
غرقہ کردی ہم عرب ہم کرد را   ہو گئے کُرد و عرب خوش مرحبا

[1] بندہ تائب ہوکر عہد کرتا ہے کہ اے رب اب میں دنیاوی اسباب کے فریب میں نہیں آؤں گا اور ہمیشہ تجھ پر بھروسہ کروں گا۔
[2] حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگرچہ توبہ کرکے توبہ شکنی تیری عادت ہے تاہم میں تیری اس عادت سے قطع نظر کرم کرتا ہوں۔
[3] مختصر یہ کہ انسان نے چونکہ مسبب الاسباب کو نہیں دیکھا اس لیے وہ اسباب سے ہی وابستہ رہتا ہے۔ یہ اس کی اس معذوری اور کمزوری کے باعث ہے۔ [4] اب مولانا پھر اصل قصہ کی طرف لوٹتے ہیں۔

اے غلام اکنوں تو پُر بیں مشکِ خود   ۱ دیکھ لے پُر ہے یہ مشکیزہ ترا
تاگوئی در شکایت نیک و بد   شاہ بولے پھر نہ کرنا تم گِلا

آں سیاہ حیران شد از بُرہان اُو   دیکھ کر یہ معجزہ حراں ہوا
می دمید از لامکاں ایمانِ اُو   ۲ غیب سے ایماں نمو پانے لگا

چشمۂ دید ازہوا ریزاں شدہ   عرش سے دیکھا کہ ہے چشمہ رواں
مشکِ اُو رُو پوشِ فیضِ آں شدہ   جس سے اُس کی مشک تھی آسودہ جاں

زاں نظر روپوشہا ہم بر درید   اک نظر میں کھل گئے سِرّ نہاں
تامُعینِ چشمۂ غیبی بدید   ہو گیا سر چشمۂ رحمت عیاں

چشمہا پُر آب کرد آں دم غلام   ۳ یک بیک آنکھوں میں آنسو آ گئے
شد فراموشش ز خواجہ و ز مقام   نقش مالک کے سبھی دھندلا گئے

دست و پایش مانداز رفتن براہ   ۴ راستہ چلنے کی طاقت کھو گئی
زلزلہ افگند درجانش اِلٰہ   حق نے بخشی اک نئی وارفتگی

باز بہر مصلحت بازش کشید   ۵ بولے بہر مصلحت شاہِؐ ہدا
کہ بخویش آ باز رو اے مستفید   ہوش میں آ طالب حق لوٹ جا

وقتِ حیرت نیست حیرت پیشِ تُست   حیرتیں ہیں اور بھی حیراں نہ ہو
ایں زماں در رہ در آ چالاک و جست   ہوشمندی سے رہِ حق طے کرو

دستہائے مصطفیٰؐ بر رُونہاد   مصطفیٰؐ کے ہاتھ چہرے پہ رکھے
بوسہائے عاشقانہ بس بداد   عاشقانہ انگشت بوسے دیئے

[1] سب کو سیراب کرنے کے بعد آنحضورؐ نے غلام سے فرمایا دیکھ لے تیری مشک اُسی طرح بھری ہوئی ہے۔ بعد میں کوئی گلہ نہ کرنا۔
[2] یہ معجزہ دیکھ کر غلام حیران ہوا اور اس کے دل میں قدرتِ خدا سے ایمانی کیفیت پیدا ہونے لگی۔ [3] غلام آبدیدہ ہو گیا اور اس کے ذہن سے آقا کا خیال اور خوف محو ہو گیا۔ [4] اس معجزہ کو دیکھ کر چونکہ مقامِ تحیّر میں پہنچ گیا تھا اس لئے قدم اٹھانے سے قاصر ہو گیا۔
[5] آنحضورؐ اسے مقامِ تحیّر سے مقامِ صحو میں واپس لائے۔

مصطفیؐ دستِ مبارک بَرزَخش   مصطفیؐ نے ہاتھ چہرے پَر مَلے
آں زماں مالیدو کرد اُو فرخش   برکتوں کے بے بہا گوہر دیئے

شد سفید آں زنگی و پورِ حبش   وہ سیہ رو ہو گیا رشکِ قمر
ہمچوبدر و روز روشن شد شبش   اک شب تیرہ ہوئی روشن سحر

یوسفے شد در جمال و درو لال   مثلِ یوسف تھا جمیل و خوش ادا
گفتش اکنو روبدہ وا گوئے حال   بولے پیغمبرؐ کہ جا سب کو بتا

اوہمی شد بے سروبے پائے و مست   چل پڑا وہ مستیوں میں ڈوب کر
پائے می نشناخت در رفتن زدست   اپنے حال وقال سے بھی بے خبر

پس بیامد با دو مشکِ پُر رواں   پہنچا وہ پانی بھری مشکیں لئے
سوئے خواجہ از نواحی کارواں   قافلے میں اپنے آقا کے لیے

خواجہ بَر رہ منتظر بنشستہ بُود   منتظر بیٹھا تھا آقا دیر سے
کاں غلامش دیر می آمد نہ زود   وہ غلام آیا مگر تاخیر سے

خواجہ از دورش بدید و خیرہ ماند   دیکھ کر آقا اُسے حیراں ہوا
از تحیّر اہلِ آں دِہ رابخواند   گاؤں سے سب کو وہاں یکجا کیا

راویہ ما اشترِ ماہست ایں   [1] اونٹ بھی میرا ہے اور یہ مشک بھی
پس کجا شد بندۂ زنگیں جبین   پھر کہاں ہے وہ سیہ رُو آدمی

آں یکے بدریست می آیدزِ دور   چاند ہے جو آرہا ہے دور سے
میزند بہ نور روز از رُوش نور   ہے منور دن بھی اُس کے نور سے

[1] دور سے غلام کو اونٹ پر سوار آتے دیکھ کر آقا حیران ہوا اس لیے کہ اونٹ تو وہی تھا جس پر آقا نے اُسے بھیجا تھا لیکن غلام کا رنگ چاند کی طرح سفید تھا۔ باقی اشعار میں آقا اور غلام کے درمیان مکالمہ ہے۔

گو غلامِ ما مگر سرگشتہ شد　　کیا ہوا کیا کھو گیا میرا غلام
یا بدو گرگے رسید و کشتہ شد　　یا کیا ہے گرگے نے اُس کو تمام

یا مگر اُورا بکشت ایں بدگہر　　لے یا اُسے مارا ہے اِس کم ذات نے
اشترش آورد اینجا از قدر　　اُونٹ قسمت سے ہے لے آیا جسے

چو بیامد پیش گفتش کیستی　　سامنے پہنچا تو پوچھا کون ہو
از یمن زادی ویا تُر کیستی　　تم ہو تُرکی یا کہ یمنی سچ کہو

تو غلامم راچہ کردی راست گو　　سچ بتا کیا میرے زنگی سے کیا
گر بکشتی وانما حیلت مجو　　مار ڈالا ہے تو بے حیلہ بتا

گفت گر کشتم بتو چوں آمدم　　بولا گر ہوتا میں قاتل پھر بھلا
چوں بپائے خود دریں خوں آمدم　　خود نہ آتا معاملہ ہے خون کا

گفت نے نے درگہیر و بامنت　　تیری باتیں ہیں غلط اُس نے کہا
راست باید گفت سردست ایں فنت　　مکر بازی چھوڑ اور سچ سچ بتا

گو غلامِ من بگفت ایک منم　　ہے کہاں حبشی؟ کہا میں ہی تو ہوں
کرد دستِ فضلِ یزداں روشنم　　دستِ حق سے ہو گیا ہوں ماہ گوں

[2]دیدہ ام صدرے و بدرے گشتہ ام　　دیکھ کر شہ کومہ کامل ہوا
صاحبِ فضل و قدرے گشتہ ام　　فضل و فوقیت کا بھی حامل ہوا

ہی چہ میگوئی غلامِ من کجاست　　کیا کہا بولو کہاں ہے وہ غلام
ہیں نخواہی رفت ازمن جز براست　　ورنہ تیرا کام کردوں گا تمام

۱ اس نے میرے غلام کو شاید مار ڈالا ہے لیکن تقدیر خداوندی سے اونٹ اُسے یہاں لے آیا ہے۔
۲ یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

گفت اسرارِ ترا با آں غلام [1] راز تیرے جانتا ہے سب غلام
جملہ وا گویم یکایک من تمام چاہتے ہو فاش کر ڈالوں تمام

زاں زمانے کہ خریدی تو مرا اُس گھڑی سے جب خریدا تھا مجھے
تا بگوئیں باز گویم ماجرا کروں افشا آج تک کے ماجرے

تابدانی کہ ہما نم در وجود تاکہ تو ما نے وہی ہے یہ وجود
گرچہ از شبدیزِ من صبحے کشود گر مری شب سے ہوئی صبح کی نمود

رنگ دیگر شد و لیکن جانِ پاک [2] جاں وہی ہے ظاہری رنگت جدا
فارغ از رنگ ست و از ارکانِ خاک پاک ہے رنگ و عناصر سے سدا

تن شناساں زود مارا گم کنند [3] چھوڑ دیتے ہیں ہمیں تن آشنا
آب نوشاں ترکِ مشک و خم کنند توڑتے ہیں جام و مے سے واسطہ

جاں شناساں از عدد ہا فارغند [4] ہے نیز جسم ہیں جاں آشنا
غرقۂ دریائے بیچونند و چند غرق ہیں بحرِ وحدت میں سدا

جان شو از راہِ جان جاں را شناس جان بن اور جاں سے جاں کو جان لے
یارِ بینش شو نہ فرزندِ قیاس بدگمانی چھوڑ حق کو مان لے

1 جب آقا بار بار کی یقین دہانی کے باوجود یہ باور کرنے پر آمادہ نہ ہوا کہ وہ شخص اُسی کا غلام ہے تو غلام نے کہا کہ اگر چاہو تو میں تمہارے وہ تمام راز فاش کردوں جو اس دن سے میرے سینے میں ہیں جب سے تم نے مجھے بطور غلام خریدا تھا۔

2 غلام نے کہا کہ میرے آقا گو میری رنگت بدل گئی ہے لیکن میری روح وہی ہے اس لیے کہ روح رنگ اور عناصر اربعہ سے بے نیاز ہوتی ہے۔

3 آقا اور غلام کی ظاہر و باطن کے حوالے سے گفتگو کو موضوعِ سخن بنا کر اب مولانا اس نکتہ کی وضاحت فرماتے ہیں کہ جو ظاہر بین ہیں وہ لیلیٰ کے باطنی حسن و جمال کو نہیں دیکھ سکتے۔ جسے پیاس ہو وہ جام کی بجائے جام میں جو پانی ہے اُسے دیکھے گا۔

4 جاں شناس ہیں یعنی باطنی خوبیوں کو جاننے والے ہمیشہ بحرِ وحدت میں غرق رہتے ہیں وہ نگاہوں کی ظاہری کثرت کا شکار نہیں ہوتے۔

دُعائے آدم

یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیثِیْن اِھْدِنَا رہ دکھا اے غمزدوں کے چارہ ساز
لَا اِفْتِخَارَ بِالْعُلُومِ وَ الْغِنَا علم و دولت پہ نہیں فخر و ناز

لَا تُزِغْ قَلْبًا ھَدَیْتَ بِالْکَرَم رحم کر دل کو بُرائی سے بچا
وَاصْرِفِ السُّوْءَ الَّذِی خَطَّ الْقَلَم جو بدی قسمت میں لکھی ہے مٹا

بگذراں از جانِ ماسُوءِ الْقَضَا بگڑی قسمت کو بنا دے اے خدا
وامبر مارا ز اِخوانِ الصَّفَا اہلِ دل سے ہم نہ ہوں ہرگز جدا

تلخ تر از فرقتِ تو ہیچ نیست تلخ تر فرقت سے تیری کچھ نہیں
بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست جز تری رحمت کے ہستی کچھ نہیں

رختِ ماہم رختِ مارا راہزن [1] خود مرا ساماں ہے میرا راہزن
جسمِ ما مر جانِ مارا جامہ کَن اور میرا تن ہوا ہے جان شکن

دستِ ماچوں پائے مارا می خورد [2] دشمنِ جاں کاروبارِ زندگی
بے امانِ تو کسے چوں جاں بُرد گر سہارا ہے تو بس رحمت تری

وَر بُرد جاں زیں خطر ہائے عظیم [3] گر بدی سے بچ بھی جائے زندگی
بُردہ باشد مایہِ ادبار و بیم رائیگاں ہے گر نہیں چاہت تری

زانکہ جاں چوں واصلِ جاناں نبود جاں ہے بے جاں وصلِ جاناں کے بغیر
تا ابد با خویش کورست و کبود ہے سیہ تر نورِ تاباں کے بغیر

[1] دنیاوی لذتیں ہمارے نیک اعمال کو ضائع کرنے کا سبب بنتی ہیں اور ہم خود ہی اپنی نیکیوں کو جو ہمیں عذاب سے بچا سکتی ہیں برباد کر رہے ہیں۔
[2] ہماری مصروفیات ہمیں زہد و تقویٰ اور راہِ سلوک سے دور رکھتی ہیں۔ ایسی صورت میں صرف تیری رحمت ہی ہماری رہنمائی کر سکتی ہے۔
[3] وہ جان جو محبتِ الٰہی سے خالی ہے اگر بچا بھی لو تو کچھ فائدہ نہیں۔

چوں تو ندہی راہ جاں خود بُردہ گیر　[۱] تو نہ ہو رہبر تو جینا بے ثمر
جاں کہ بے تو زندہ باشد مردہ گیر　ایسا جینا موت سے بھی ہے بتر

گر تو طعنہ می زنی بر بندگاں　ہے بجا ہم پہ تری طعنہ زنی
مَر ترا آں می رسد اے کامراں　تجھ کو حق حاصل ہے اے رَبِّ غنی

وَر تو ماہ و مہر را گوئی جَفا　[۲] گر کہے تو مہر و مہ بھی ہیں نہاں
وَر تو قدِ سرو را گوئی دوتا　گر کہے تو سر و قد کو ہے کماں

وَر تو چرخ و عرش را خوانی حقیر　گر کہے عرش و فلک بھی ہیں حقیر
وَر تو کان و بحر را گوئی فقیر　گر کہے کان و سمندر ہیں فقیر

آں بہ نسبت باکمالِ تو رواست　بے گماں اِن سب پہ ہی قادر ہے تو
مُلکِ اکمال وفناہا مرترا است　بننے اور مٹنے پہ بھی قادر ہے تو

کہ تو پاکی از خطروز نیستی　ذات تیری بے نیازِ نیستی
نیستاں راموجد و مغنیستی　تو ہی پیدا بھی کرے ناپید بھی

آنکہ رویانید داند سوختن　جو اُگاتا ہے جلا سکتا بھی ہے
وانکہ بدریدست داند دوختن　پھاڑتا ہے جو ملا بھی سکتا ہے

می بسوزد ہر خزاں مر باغ را　وہ جلاتا ہے خزاں میں باغ کو
باز رویاند گُلِ صَبّاغ را　پھر کِھلاتا ہے حسیں گُلشو بُتو

چشمِ نرگس کورشد باوش بساخت　چشمِ نرگس بند تھی پھر وا کیا
حلقِ نے ببرید و بازش خود نواخت　چھین کر نَے سے نوا کی پھر عطا

۱ اگر حق تعالیٰ نجات کی راہ نہ دکھائے تو جان کا بچنا غیر واقعی اور فرضی ہے۔
۲ ان اشعار میں مولانا حق تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں اُسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ سمندر اور کان جو زر و گہر سے بھرے ہیں ان کے بارے میں کہہ دے کہ وہ بالکل تہی دامن ہیں اس لیے کہ اگر وہ چاہے تو اپنی قدرت سے انہیں اس دولت سے محروم کر سکتا ہے۔

ماچوں مصنوعیم و صانع نیستیم　　ہم تو ہیں مخلوق ہم خالق نہیں
جز زبون و جز کہ قانع نیستیم　　بے بسی پر جز قناعت کیا کریں

ماہمہ نفسی و نفسی می زنیم　　[1] نفسِ امارہ پہ ہیں قربان ہم
گر نخواہی ماہمہ آہرمنیم　　تو وہ نہ گر چاہے تو ہیں شیطان ہم

زاں ز آہر من رہید ستیم ما　　[2] محمدؐ شیطان سے پائی نجات
کہ خریدی جان، مارا از عَمَی　　تو نے اندھے پن سے دلوائی نجات

تو عصا کش ہر کرا کہ زندگیست　　آسرا ہے تو ہر اک جاندار کا
بے عصا و بے عصا کش کور چیست　　ہیچ ہے اندھا نہ ہو گر آسرا

غیر تو ہر چہ خوش است و نا خوش است　　[3] جو ترے اچھا برا جو کچھ بھی ہے
آدمی سوزست و عینِ آتش است　　آگ ہے ہم کو جلانے کے لیے

ہرکرا آتش پناہ و پشت شد　　[4] جس نے بھی ڈھونڈا سہارا آگ کا
ہم مجوسی گشت و ہم زروشت شد　　وہ بنا زر دشت اور کافر ہوا

کل شی ماخلا اللہ باطلٌ　　جو بھی ہے حق کے سوا باطل ہے سب
ان فضل اللہ غیم ھاطلٌ　　بے گماں ابر کرم ہے لطفِ رب

[1] ہم نفسانی خواہشات کے لیے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔ اگر خدا کا کرم اور اس کی ہدایت شامل حال نہ ہو تو ہم مجسم شیطان بن جائیں۔
[2] اے محمدؐ تو نے ہی ہمیں راہ دکھائی اور شیطان کے پنجے سے چھٹکارا دلایا۔
[3] اللہ تعالیٰ کا کرم رہنمائی نہ کرے تو دنیا کی بری چیزیں تو کیا اچھی چیزیں بھی ہمارے لیے نقصان کا باعث بن سکتی ہیں۔
[4] جس کسی نے زندگی میں آگ کا سہارا لیا یعنی برائیوں کو اپنایا اور ابلیس جو آگ ہے اس کی پیروی کی وہ زردشت (آتش پرستوں کے رہنما) کی طرح کافر ہوا۔

مناجات

اے خدائے پاک بے انباز و یار　　اے خدا اے لا شریک و بے نیاز
دست گیرو جرمِ مارا درگذار　　دے سہارا بخش دے بندہ نواز

یاد دہ مارا سخن ہائے رقیق　　کر عطا مجھ کو وہ حرفِ عاجزی
کہ ترا رحم آورد آں اے رفیق　　جس سے آئے جوش میں رحمت تری

ہم دعا از تو اِجابت ہم ز تو　　تو ہی توفیقِ دُعا دے اور جزا
ایمنی از تو مہابت ہم ز تو　　تو ہی بخشے ہے سکوں بیم و رجا

گر خطا گفتیم اصلاحش تو کن　　ہے مری گفتار میں خامی اگر
مصلحی تو اے تو سلطانِ سُخن　　تو ہے سلطانِ سخن اصلاح کر

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی　　تیری قدرت میں ہے اے ربِّ جلیل
گرچہ جُوئے خوں بود نیلش کنی　　تو جو چاہے جوئے خوں ہو رودِ نیل

ایں چنیں مینا گریہا کارِ تُست　　ہیں کرشمے تیرے حسنِ کار کے
ایں چنیں اکسیر ہا اسرارِ تُست　　ہیں تری قدرت کے سارے معجزے

آب را و خاک را برہم زدی　　تونے آب و خاک کو یکجا کیا
زآب و گلِ نقشِ تنِ آدمؑ زدی　　اور اس سے ہی تنِ آدم بنا

نسبتش داری بجفت و خال و عم　　پھر اُسے رشتوں کی نسبت کی عطا
باہزار اندیشۂ شادی و غم　　اور کیا رنج و خوشی میں مبتلا

باز بعضے دہائی دادۂ   [1] پھر کسی کو اے خُدائے پُر صفات
زیں غم و شادی جدائی دادۂ   اِس غم و شادی سے دی تو نے نجات

بُردۂ از خویش و پیوند و سرشت   ہر کسی سے اُس کو بیگانہ کیا
کردۂ در چشم اُو ہر خوب زشت   حُسنِ دنیا سے بھی بے پروا کیا

ہر چہ محسوس ست اُورو می کند   [2] ظاہری ہر چیز کو رو کردیا
وانچہ نا پیدا ست مسند می کند   جو ہے پوشیدہ اُسے اپنا لیا

عشقِ اُو پیدا ومعشوقش نہاں   عشق بے پردہ ہے پردے میں ہے یار
یارو بیروں فتنۂ اُو درجہاں   سب جہاں ہے اُس کی چاہت کا شکار

ہیں رہا کن عشقہائے صورتی   [3] ظاہری صورت کی چاہت چھوڑ دے
نیست برصورت نہ بر روئے ستی   ایسی چاہت سے ملے گا کیا تجھے

آنچہ برصورت تو عاشق گشتۂ   [4] جس کی صورت کا ہے تو عاشق بھلا
چوں بروں شد جاں چرایش ہشتۂ   کیوں اُسے چھوڑا ہوا جب وہ فنا

صورتش برجاست ایں سیری ز چیست   اس کی صورت سے وہ چاہت کیا ہوئی
عاشقا واجو کہ معشوقِ تو کیست   ڈھونڈ ہے محبوب تیرا اور ہی

آنچہ محسوس ست گر معشوقہ است   ظاہری صورت ہی گر محبوب ہو
عاشقستے ہر کہ اُوراحس ہست   عشق ہر ذی حس کا اسلوب ہو

چوں وفا آں عشق افزوں می کند   عشق ہے جذبِ وفا سے پائیدار
کے وفا صورت دگرگوں می کند   حسن و صورت سے نہیں یہ استوار

[1] ان انسانوں میں سے بعض کو دنیا سے بےنیاز بنا کر اپنا بنا لیا۔
[2] دنیا میں نظر آنے والی ہر چیز سے بیگانہ ہو کر وہ صرف ناپید حقیقی نظر نہ آنے والے اللہ کا ہو گیا۔
[3] اس سے پہلے اشعار میں عشقِ حقیقی کا بیان تھا اب مولانا عشقِ مجازی سے پرہیز کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔
[4] اگر صورت ہی معشوق ہے تو پھر مرجانے کے بعد اس سے عشق کیوں نہیں رہتا۔ یہ صورت کے معشوق نہ ہونے کی پہلی دلیل ہے۔

پر توِ خورشید بہ دیوار تافت   پر توِ خورشید سے دیوار بھی
تابشِ عاریتے دیوار یافت   چند لمحوں کے لیے روشن ہوئی

ہرکلوخے دل چہ بندی اے سلیم   دل لگانا خاک سے ہے رائیگاں
وَاطلب اصلی کہ اُو تابدِ مقیم   اُس کو چاہو جو سدا ضوفشاں

رو نُعمّرہ نُنکّسہ بخواں   [1] ہاں نُعمّرہ نُنکّسہ پڑھو
دل طلب کن دل منہ بہ استخواں   بھول کر صورت طلب دل کی کرو

کاں جمالِ دل جمالِ باقی ست   [2] حسن ہے دل کا مقیم و پائیدار
دولبش از آبِ حیواں ساقی   حسنِ دل میں آبِ حیواں کا خمار

خود ہم او آب ست و ہم ساقی و مست   مے بھی وہ ساقی بھی وہ میخوار بھی
ہر سہ یک شد چوں طلسمِ تو شکست   [3] تم مٹے تو ہوگئے یکجاں سبھی

آں یکے را تو ندانی از قیاس   [4] عقل سے اس کا تصور ہے محال
بندگی کن ژاژ کم خاک شناس   بندگی کر چھوڑ دے ناقص خیال

آں بود معنی کہ بستاند ترا   عشقِ حق دے خود پرستی سے نجات
بے نیاز از نقش گرداند ترا   ظاہری صورت پرستی سے نجات

[1] قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ: ومن نعمرہ ننکسہ فی الخلق
یعنی ہم جس کو بڑی عمر دیتے ہیں بناوٹ میں الٹا گھٹاتے ہیں اس کی ظاہری صورت کی جاذبیت کم ہوتی جاتی ہے۔
[2] دل یعنی حق تعالٰی کا حسن لافانی ہے۔
[3] جب انسان کی خودی مٹ جاتی ہے تو پھر اُسے تمام ممکنات میں وجود واحد ہی نظر آتا ہے۔
[4] ذات باری تعالٰی کا عقل سے تصور ناممکن ہے اس لیے کہ عقل کی پرواز محدود ہے لہٰذا یہی بہتر ہے کہ انسان حق تعالٰی کی بندگی پر توجہ دے۔

جہانِ عمل

صد ہزارا دام و دانہ ست اے خدا　　سینکڑوں ہیں دام و دانہ اے خدا
ماچو مرغانِ حریص و بے نوا　　اور ہم بھوکے پرندو ں کی طرح

دمبدم پابستۂ دامِ نوایم　　ہر گھڑی اک دامِ نو کے ہیں شکار
ہر یکے گر باز وسیمرغے شویم　　چاہے ہوں شہباز جیسے ہوشیار

می رہانی ہردمے مارا و باز　　تو رہا کرتا ہے ہم کو دمبدم
سوئے دامے می رویم اے بے نیاز　　پھر سے دامِ نو میں آجاتے ہیں ہم

ما دریں انبان گندم می کنیم　　[1] بوریاں بھرتے ہیں خود گندم سے ہم
گندمِ جمع آمدہ گم می کنیم　　خود ہی کھو دیتے ہیں بے دام و درم

می نیندیشم آخر ما بہ ہوش　　[2] سوچتے ہیں اور کرتے ہیں گماں
کایں خلل درگندمست از مکرِ موش　　موش کے ہاتھوں ہوا ہے یہ زیاں

اوّل اے جاں دفعِ شرِّ موش کن　　موش کو پہلے ہٹاؤ اے عزیز
وانگہ اندر جمعِ گندم جوش کن　　پھر کہیں خرمن لگاؤ اے عزیز

بشنواز اخبارِ آں صدرُ الصُّدور　　[3] سن کہ یہ قولِ شاہِ شش جہات
لا صَلواۃ (تُم) اِلّا باِلحضور　　نامکمل ہے حضوری کی صلواۃ

۱ ہم اعمالِ صالحہ کماتے ہیں اور پھر خود ہی انہیں گنوا دیتے ہیں۔
۲ موش یعنی شیطان کے ہاتھوں ہمارا زہد وتقویٰ ناقص ہوگیا جس طرح چوہا تھیلے کو کاٹ کر غلے کو نقصان پہنچاتا ہے۔
۳ حدیث شریف ہے کہ لا صلواۃ الا بحضورِ قلب　　یعنی حضوریِ دل کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

گر نہ موشے دُزدو در انبان ماست [1] گر نہیں ہے چور کوئی موش بھی
گندمِ اعمالِ چہل سالہ کجاست کیا ہوئی گندم ترے اعمال کی

ریزہ ریزہ صدقِ ہر روزہ چرا [2] تھوڑا تھوڑا صدق ہر دن کا کہو
جمع می ناید دریں انبارِ ما کیوں نہیں کرتا فزوں انبار کو

بس ستارہ آتش از آہن جہید جتنی لوہے سے اُٹھیں چنگاریاں [3]
ویں دلِ شوریدہ پذرفت و کشید ہو گئیں قلبِ پریشاں میں نہاں

لیک در ظلمت یکے دزدِ نہاں پُر اندھیرے میں چھپے اک چور نے
می نہد انگشت بر استارگاں گُل کیا چنگاریوں کو ہاتھ سے [4]

چوں عنایاتت شود با ما مقیم جب تری رحمت سہارا دے ہمیں
کے بود بیمے ازاں و زدِ لئیم خوف ہو اُس چور کا کیسے ہمیں

گر ہزاراں دام باشد ہر قدم ہوں ہزاروں دام بھی ہر گام پر
چوں تو با مائی نباشد ہیچ غم ساتھ ہے تیرا تو کیا خوفِ خطر

[1] اگر کوئی چوہا غلہ کے تھیلے نہیں کاٹ رہا تو پھر تمہاری گندم کہاں گئی تمہارے اعمال کے انبار میں کوئی چوہا یعنی نفس شیطانی غارت گری کر رہا ہے۔
[2] حدیث شریف ہے کہ ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم (بے شک شیطان انسان کی رگ رگ میں خون کی طرح پھرتا ہے۔
[3] زہد و عبادت سے تیرے اندر جو چنگاریاں پیدا ہوئیں دل نے انہیں جذب کر لیا۔
[4] شیطان نے ان چنگاریوں کو بجھا دیا تاکہ روح میں عشقِ الٰہی کا سوز پیدا نہ ہو۔

نفس

ما دریٖ بتہا بتِ نفسِ شماست   [1] نفس تیرا سب بتوں کی ابتدا
زانکہ آں بُت مار وایں بت اژدھا ست   سانپ ہیں وہ اور یہ ہے اژدھا

آہن و سنگ ست نفس و بت شرار   [2] نفس تیرا سنگ و آہن، بُت شرر
آں شرار از آب می گیرد قرار   یہ شرر پانی سے بجھتا ہے مگر

سنگ و آہن زاب کے ساکن شود   سنگ و آہن پر ہے پانی بے اثر
آدمی با ایں دو کے ایمن شود   یہ ہیں جب تک زندگی ہے پُر خطر

زاب چوں نارِ بروں کشتہ شود   ظاہری آتش پہ پانی کارگر
دروروںِ سنگ و آہن کے رَوَد   باطنی آتش پہ ہے یہ بے اثر

سنگ و آہن چشمۂ نارند و دود   سنگ و آہن میں دھواں ہے آگ بھی
قطرہ ہا شاں کفر و ترسا وجہود   ان کے اندر کفر و شرک و گمرہی

بت سیاہ آب ست در کوزہ نہاں   سیاہ پانی ہے کوزہ میں نہاں
نفس مر آب سیاہ را چشمہ داں   اس کا منبع نفس تیرا بے گماں

صد سبو را بشکند یک پارہ سنگ   [3] خُم کے خم کرتا ہے اک پتھر تباہ
واب چشمہ میزہاند بے درنگ   روک سکتا ہے وہ کب چشمہ کی راہ

[1] اصل بت انسان کا نفس ہے جو کئی بتوں کو جنم دیتا ہے۔

[2] لوہے سے لوہا اور پتھر سے پتھر ٹکراتا ہے تو چنگاری پیدا ہوتی ہے اس چنگاری کو بجھانا ممکن ہے لیکن چنگاری پیدا کرنے کا جو مادہ پتھر کے اندر ہے اس کو ختم کرنا ضروری ہے۔ اس سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔

[3] گندے پانی کے گھڑے پتھر سے توڑے جاسکتے ہیں لیکن چشمہ بند نہیں ہوسکتا لہذا باطنی برائیوں کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے دل کو پاک وصاف رکھیں تاکہ باطنی اور ظاہری برائیاں پیدا نہ ہوں۔

ــ آبِ خُم و کوزہ گر فانی شود   کوزہ و خُم خشک ہو جائیں تو کیا
آبِ چشمہ تازہ وہ باقی بُود   آب چشمہ تازہ و باقی سدا

بت شکستن سہل باش ونیک سہل   [۱] توڑنا بت کا تو ہے آساں و لے
سہل دیدن نفس را جہل ست جہل   سخت مشکل نفس کے ہیں معاملے

صورتِ نفس ار بجوئی اے پسر   اے عزیزم نفسِ امارا ترا
قصۂ دوزخ بخواں باہفت در   ہے جہنم کے عذابوں کی بِنا

ہر نَفَس مکرے و در ہر مکرزاں   تیرے اک اک سانس میں سو مکر ہیں
غرق صد فرعون بافرعونیاں   اور کئی فرعون ہیں ہر مکر میں

در خدائے موسیٰ و موسیٰ گریز   ڈھونڈ موسیٰ اور خدا کا آسرا
آب موسیٰ را ز فرعونی مریز   کبر و فرعونی سے ایمان کو بچا

دست را اندر احد احمدؐ بزن   کو اَحد سے اور احمدؐ سے لگا
اے برادر وارہ از بوجہلِ تن   تن کے مکر و جہل سے دامن بچا

[۱] ہاتھ سے تراشے ہوئے بت کو توڑنا آسان ہے لیکن نفس کے بت کو توڑنا بہت مشکل کام ہے اس کے لیے ریاضت اور زہد و تقویٰ کی ضرورت ہے۔

"رَجَعنَا مِنَ الجِهَادِ الاَصغَرِ اِلَی الجِهَادِ الاَکبَر"

(ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹتے ہیں)

کی تفسیر

اے شہاں کشتیم ما خصمِ بروں [1] ظاہری دشمن کو مارا ہے مگر
ماند خصمے زاں بتر دراندروں باطنی دشمن تو ہے اُس سے بُتر

کشتنِ ایں کارِ عقل و ہوش نیست [2] کیا کریں گے عقل و ہوش اس کو تمام
شیرِ باطن سخرۂ خرگوش نیست شیر کب خرگوش سے ہوتا ہے رام

دوزخ است ایں نفس و دوزخ اژدہاست نفس دوزخ اور دوزخ اژدہا
کو بدریا ہا نگردد کم وکاست ہو نہ دریاؤں کے پانی سے فنا

سنگہا و کافرانِ سنگدل [3] سنگ بھی اور سنگدل کفار بھی
اندر آیند اندر و خوار و خجل اِس میں جائیں گے بصد شرمندگی

ہم نگردد ساکن از چندیں غذا پھر بھی ناکافی رہے گی یہ غذا
تا ز حق آید مر اورا ایں ندا حق سے آئے گی جہنم کو ندا

"سیر گشتی سیر" گوید "نے ہنوز" [4] "بھر گیا ہے پیٹ" بولے گی "نہیں"
"اینت آتش اینت تابش اینت سوز" "آگ ہے باقی تپش بھی ہے یہیں"

1. ظاہری دشمن سے مراد کفار جب کہ باطنی دشمن کا مطلب نفس امارہ ہے۔ اور ظاہری دشمن کے خلاف جدوجہد جہادِ اصغر ہے اور نفس امارہ کے خلاف جہادِ اکبر۔
2. باطنی دشمن کو عقل و ہوش سے زیادہ زہد و تقویٰ سے زیر کیا جا سکتا ہے۔
3. قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے کہ "وقودها الناس والحجارة" یعنی دوزخ کی خوراک پتھر اور انسان ہوں گے۔
4. قرآن پاک میں ہے اللہ تعالیٰ جہنم سے دریافت فرمائیں گے "هل امتلأت" کیا تیرا پیٹ بھر گیا وہ کہے گی "هل من مزید" کیا کچھ اور ہے۔

عالمے را لقمہ کرد و درکشید   کھا چکی ہے وہ جہاں بھر کو ولے
معدہ اش نعرہ زناں "ہَل مِن مَزِید"   نعرہ زن ہے "کیا بھی کچھ اور ہے"

حق قدم بروے نہد از لامکاں   ۱ حق قدم رکھے گا اُس پر عرش سے
آنگہ او ساکن شود از کُن فکاں   سرد ہوگی "کن فکاں" کے حکم سے

چونکہ جزوِ دوزخ است ایں نفسِ ما   ۲ جزوِ دوزخ ہے ہمارا نفس بھی
طبعِ کل دارد ہمیشہ جزو ہا   مثلِ کُل ہوتی ہے خصلت جزو کی

ایں قدم حق را بُوَد کورا کشد   لطفِ حق سے ہی بجھے گی اُس کی پیاس
غیرِ حق کو کہ کمانِ اوکشد   غیرِ حق اُس کی کماں سے ناشناس

درکماں ننہد اِلّا تیر راست   تیر رکھتے ہیں کماں میں بے خم
ایں کماں راباژ گو کژتیر ہاست   اِس کماں کے تیر ہیں پُر پیچ و خم

راست شو چوں تیر وارہ از کماں   ہو کے بے خم تو کماں سے چھوٹ جا
کز کماں ہرراست بجہد بے گماں   تیرِ بے خم ہوگا منزل آشنا

چونکہ واگشتم ز پیکارِ بروں   کرچکا ہوں ختم جنگِ ظاہری
روئے آوردم بہ پیکارِ دروں   اب مجھے کرنی ہے جنگِ باطنی

قد رَجَعنَا مِن جہادِ لاصغریم   ختم کر آیا ہوں میں اصغر جہاد
بانبی اندر جہادِ اکبریم   اب شروع کرنے کو ہوں اکبر جہاد

قوّتے خواہم ز حق دریا شگاف   ۳ ہو مجھے دریا شکن قوت عطا
تابسوزن برکَنم ایں کوہِ کاف   سینہ چیروں سوئی سے کوہِ کاف کا

۱ حدیث شریف میں ہے کہ جب جہنم کا پیٹ نہ بھرے گا تب اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھ دیں گے۔ اس پر وہ کہے گی کافی ہے کافی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہوگا "کن فکاں" ہوجا وہ ساکن ہوجائے گا۔ ۲ ہمارا نفس بھی دوزخ کا جزو ہے اور اس کی خصلتیں بھی دوزخ کی سی ہیں۔
۳ مولانا اللہ تعالیٰ سے استدعا کرتے ہیں ہیں انہیں جہادِ اکبر نفس امارہ کو زیر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سہل شیرے داں کہ صفہا بشکند لے صف شکن شیروں کا کیا کہنا وے
شیر آنست آں کہ خودرا بشکند شیر تو وہ ہے جو خود کو مات دے

تاشود شیر خدا از عونِ او فیضِ حق سے بن کے وہ شیر خدا
وارہداز نفس و از فرعوں او سر جھکائے نفس کے فرعوں کا

لے حقیقتاً شیر وہ ہے جو خود کو یعنی اپنے نفس کو مات دے۔

مردِ کامل

صاحبِ دل را ندارد آں زیاں صاحبِ دل کو نہ ہو نقصاں کوئی
گر خورد اُو زہرِ قاتل راعیاں زہرِ قاتل بھی اگر کھالے کبھی

زانکہ صحت یافت و ز پرہیز رست زہد سے پایا ہے اس نے یہ کمال
طالبِ مسکیں میانِ تپ دَرست مبتدی لیکن ابھی ہے خستہ حال

گفت پیغمبرؐ کہ اے طالب جری قولِ پیغمبرؐ ہے سن اے بے خبر
ہاں مکن با ہیچ مطلوبے مری اہلِ دل کی ہمسری ہرگز نہ کر

گف احمدؐ گرمنی خواہی زُلل قولِ نبوی ہے نہ پائے گا ضرر
ہیں مکن باہیچ مطلوبے جَدَل اہلِ دل سے ضد نہ کی تو نے اگر

وَر تو نمرودی ست در آتش مَرو [1] آگ میں مت کود گر نمرود ہو
رفت خواہی اوّل ابراہیم شو بن کے ابراہیم ہی آگے بڑھو

چوں نئی سَبّاح نے دریایئے [2] اہلِ دریا ہو نہ ہو تیراک تم
درمیفگن خویش از خود رایئے پھر ہوا چاہتے ہو کیوں دریا میں گُم

اُوز قعرِ بحر گوہر آورد [3] بحر کی تہ سے بھی وہ لائے گہر
از زیانہا سود بر سر آورد وہ تباہی سے بھی دلوائے ثمر

[1] مولانا فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے اندر نمرود کی خصوصیات ہیں تو پھر آگ میں کودنے سے پرہیز کرو اور اس وقت قدم بڑھاؤ جب تم اوصافِ ابراہیمی کے حامل بن جاؤ۔

[2] اگر تم نہ تو دریائی مخلوق ہو اور نہ ہی تیراک تو پھر دریا میں مت کودو یعنی اگر کسی انسان کو روحانی کمالات حاصل نہیں تو پھر اُسے مردِ کامل سے ہمسری یا مقابلہ کرنے کی جسارت نہیں کرنی چاہیے۔

[3] مردِ کامل کو قربِ الٰہی کی بدولت یہ کمال حاصل ہے کہ وہ مضر اثرات کو دور کر سکتا ہے۔

کاملے گر خاک گیرد زر شود　　مردِ کامل خاک کو بھی زر کرے
ناقص اززر برد خاکستر شود　　مردِ ناقص زر کو خاکستر کرے

دستِ ناقص دستِ شیطان ست و دیو　　[1] ہاتھ ہے شیطان کا ناقص کا ہاتھ
زانکہ اندر دامِ تلبیس ست و ریو　　ہیں فریب و مکر ہر دم اس کے ساتھ

چوں قبولِ حق بود آں مردِ راست　　چونکہ مردِ حق ہے مقبولِ خدا
دستِ او درکارہا دستِ خداست　　ہاتھ اُس کا ہاتھ ہے اللہ کا

جہل آید پیشِ او دانش شود　　[2] وہ بنائے گمرہی کو آگہی
جہل شد علمیکہ در ناقص رود　　علمِ ناقص ہے سراپا گمرہی

ہر چہ گیرد علّتی علت شود　　مردِ غمگیں سے ہر ایک غمگین ہو
کفر گیرد کاملے ملّت شود　　کفر بھی کامل کے ہاتھوں دین ہو

اے بمرے کردہ پیادہ با سوار　　[3] شہ سواروں سے نہ لڑاے پیادہ رَو
سرنہ خواہی برد اکنوں پاے دار　　جاں بچانا بھی کہیں مشکل نہ ہو

[1] مردِ ناقص یعنی ظاہری مرشد سے کسی قسم کے روحانی فائدہ کی توقع نہیں ہو سکتی۔
[2] مردِ کامل گمراہ کو اپنے روحانی فیض سے آگاہ بنا دیتا ہے جب کہ مردِ ناقص اُسے گمراہی میں مبتلا کرے گا۔
[3] شہ سوار سے کسی پیادہ رو کا جھگڑا کرنا جان گنوانے کے مترادف ہے اسی طرح کسی مردِ کامل سے مقابلہ انتہائی خسارہ کا سودا ہے۔

سبب و مُسبّب

نکتۂ کاں جست ناگہ از زباں　　لفظ جو یکدم زباں سے ہوا وا
ہمچو تیرے واں کہ جست آں از کماں　　تیر ہے نکلا کماں سے اور گیا

وانگردو تیر از راہ اے پسر　　تیر کب ہوتا ہے واپس اے پسر
بند باید کرد سیلے را ز سر[1]　　سیل کا پہلے سے سدّباب کر

فعل را در غیب اثرہاز اوئی ست　　[2] غب سے ہے طے اثر ہر کام کا
واں موالیدش بحکمِ خلق نیست　　آدمی خالق نہیں انجام کا

بے شریکے جملہ مخلوقِ خداست　　اُن کا خالق ہے خدائے لا شریک
آں مُوالید اَرچہ نسبت شاں بماست　　گرچہ منسوب ہم سے سب طریق

زید پرّانید تیرے سوئے عُمر　　زید نے مارا عُمر کو تیر سے
عُمر رابگرفت تیرش سوئے نمر　　بلبلا اُٹھا عُمر نخچیر سے

مدّتے سالے ہمی زائید درد　　سال بھر وہ درد سے تڑپا کیا
درد ہارا آفریند حق نہ مرد　　درد انساں نے نہیں حق نے دیا

زید رامی آندم ارمُرد از وَجل　　مر گیا جب زید فوراً خوف سے
درد ہا می زایدا آنجانا اَجل　　پھر عُمر کا درد کیوں باقی رہے

آں وجہارا بدو منسوب دار　　درد انساں نے کیا پیدا مگر
گرچہ ہست آں جملہ صُنع کردگار　　اصل میں خالق ہے اس کا مقتدر

[1] کوئی بات کہنے یا کوئی کام کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہیے ورنہ بعد میں اُس کے اثرات کو دور کرنا آسان نہیں ہوتا۔
[2] ہمارے تمام افعال اور اُن کے نتائج رضائے الٰہی کے تابع ہوتے ہیں اور اس کی وضاحت مولانا اگلے اشعار میں بیان کرتے ہیں۔

ہمچنیں کسب ودم و دام و جماع   کام ہے اُس کا ثمر ہو یا وصال
آں موالیدست حق را مستطاع   ہیں سبھی تخلیقِ ربِ ذوالجلال

اولیاء راہست قدرت از الٰہ[1]   اولیاء کو دین ہے اللہ سے
تیر جستہ باز آرندش ز راہ   لائیں واپس تیر جستہ راہ سے

گفتہ ناگفتہ کند از فتح یاب   قربِ رب سے ہو کہا بھی اَن کہا
تا ازاں نے سیخ سوزد نے کباب   وہ سبب ہیں اور مسبب ہے خدا

گرت برہاں باید و حجت مہا   ہے دلائل کی تجھے خواہش اگر
ازنبے و خواں آیہ اَو ننسہا   آیہ اَو ننسہا قرآن میں پڑھ

چوں بہ نسیاں بست اَو راہِ نظر   [2] بند کی نسیاں سے جب راہ نظر
کارنتواں کرد ور باشد ہنر   بن گیا اہلِ ہنر بھی بے ہنر

خلق نمو تخریشۃ اہلی اُنسو   [3] مت اڑاؤ اہلِ رتبہ کی ہنسی
ازنبے خوانید تا انسوکم   دیکھو انسو کم کی آیاتِ جلی

صاحب وہ بادشاہِ جسم ہاست   شہر کا حاکم ہے تن کا حکمراں
صاحب دل شاہ دلہائے شماست   مردِ حق ہوتا ہے من کا حکمراں

[1] اولیائے کرام کو حق تعالیٰ نے یہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ وہ قادر مطلق کے حضور استدعا کے ذریعے بگڑے کام بنا سکتے ہیں۔

[2] اگر تجھے کسی دلیل کی ضرورت ہے تو قرآن حکیم کی آیت

ما ننسخ من آیتہ او ننسہا نات بخیر منھا پڑھ

یعنی نہیں منسوخ کرتے ہیں ہم کسی آیت کو یا بھلاتے ہیں اس کو مگر یہ کہ لاتے ہیں اس سے بہتر۔

[3] جب حق تعالیٰ نے بھلا دینے کی عادت سے غور و فکر کی قوت ختم کر دی تو ایک عالم بھی بے علم ہو گیا۔

صد ہزاراں نیک و بدرا آں نہی — اہلِ دل اُن کے دلوں کو ہر گھڑی
می کند ہر دم زدلہا شاں تہی — نیک و بد سوچوں سے کرتا ہے تہی

روز دلہا را ازاں پُرمی کند — اپنی صحبت سے انہیں وہ خوش نظر
آں صدفہا را پُر از دُرمی کند — بخشتا ہے نیک سوچوں کے گہر

آں ہمہ اندیشۂ پیشانہا — اُن کے اندیشوں کو ہے پہچانتا
می شناسد از ہدایت جانہا — قدرتِ حق سے ہے سب کچھ جانتا

پیشہ و فرہنگِ تو آید بتو — کام آتے ہیں ترے عقل و ہنر
تا درِ اسباب بکشاید بتو — کھولتے ہیں تجھ پہ وہ روزی کے در

پیشہا و خلقہا ہمچوں جہیز — تیرے اخلاق و عمل ہیں زادِ راہ
سوئے خصم آیند روزِ رستخیز — کام آئیں گے ترے روزِ جزا

پیشہا و خلقہا از بعدِ خواب — خوابِ ہستی جس گھڑی ہوگا تمام
واپس آید ہم بخصمِ خود شتاب — تیرے اخلاق و عمل آئیں گے کام

پیشہا و اندیشہا در وقتِ صبح — صبحِ محشر تیرے افکار و عمل
ہم بدانجا شد کہ بُود آں حسن و قبح — سامنے آئیں گے بے ردّوبدل

چوں کبوتر ہائے پیک از شہر ہا[1] — جیسے نامہ بر کبوتر شہر کو
سوئے شہرِ خویش آرد بہر ہا — لوٹتے ہیں لے کے جو پیغام ہو

ہر چہ بینی سوئے اصلِ خود زود — جو بھی ہے آخر ملے گا اصل سے
جزو سوئے کُلِ خود راجع شود — جزو کھو جائے گا کُل کے وصل سے

لے جس طرح نامہ بر کبوتر کو جو بھی پیغام ملے وہ لے کر واپس جاتا ہے اسی طرح اس دنیا میں ہم جو اعمال کریں گے ان کا پھل لے کر ہم دوسری دنیا کو جائیں گے۔

اسرارِ عشق

جملہ شاہاں پست پستِ خویش را　　[1] جھک گئے شہ جھکنے والوں کے لیے
جملہ مستاں مست مستِ خویش را　　مست ہیں سب مست اپنے مست کے

جملہ شاہاں بُردۂ بردہ خود اند　　[2] سارے شاہ اپنے غلاموں کے غلام
جملہ خلقاں مُردۂ مردہ خود اند　　اپنے مُردوں کے لیے مُردہ تمام

می شود صیادِ مُرغاں را شکار　　جب شکاری خود ہی بنتا ہے شکار
تا کند ناگاہ ایشاں را شکار　　خود ہی اس کے ہاتھ آتا ہے شکار

دلبراں بر بیدلاں فتنہ بجاں　　[3] دِل سے دلبر ہیں فدائے اہلِ دِل
جملہ معشوقاں شکارِ عاشقاں　　سارے دلبر ہیں فدائے اہلِ دِل

ہر کہ عاشق دیدیش معشوق داں　　[4] جو بھی ہے عاشق وہ ہے معشوق بھی
کو بہ نسبت ہست ہم این وہم آں　　اُس نے نسبت سے ہے پائی یہ دوئی

تشنگاں گر آب جویند در جہاں　　ہے اگر پیاسوں کو پانی کی تلاش
آب ہم جوید بعالم تشنگاں　　پیاسوں کو کرتا ہے پانی بھی تلاش

چونکہ عاشق اُوست تو خاموش باش　　[5] وہ ہے جب عاشق تو تُو خاموش رہ
اُوچو گوشت میدہد تو گوش باش　　کان پائے ہیں ہمہ تن گوش رہ

[1] جب اطاعت کمال کو پہنچتی ہے تو آقا جھکنے والوں کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے اور عاشق اپنے محبوب کے عشق میں جو خود بھی اس کا چاہنے والا ہے مست ہوتا ہے۔

[2] جو غلام اپنے مولیٰ کی اطاعت میں فنا ہو جاتا ہے مولیٰ اس کا ہو جاتا ہے۔

[3] جب عاشق کا عشق معراجِ پختگی تک پہنچتا ہے تو کششِ عشق اپنا اثر دکھاتی ہے اور معشوق کو بھی اپنے عاشق سے عشق ہو جاتا ہے۔

[4] عاشق صادق محب بھی ہوتے ہیں اور محبوب بھی۔ اس نسبت سے انہیں دوہری حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

[5] پیاسے کی طرح پانی بھی ندی نالوں اور دریاؤں میں بہہ کر پیاسوں کی جستجو میں رواں دواں رہتا ہے۔

اے حیاتِ عاشقاں در مُردگی   مَر کے ہوگی زندگی حاصل تجھے
دل نیابی جُز کہ در دِلبردگی   دل گنوا کر ہی ملے گا دل تجھے

غرقِ عشقے شو کہ غرق ست اندریں   غرق ہو جا عشق میں کہ بے عدد
عشقہائے اوّلین و آخریں   غرق ہیں اِس میں اَزل سے تا اَبد

مجملش گفتم نہ کردم من بیاں   [1] بات کی ہے مجملاً اِس راز کی
ورنہ ہم افہام سوزد ہم زباں   ورنہ جل جاتی زباں بھی عقل بھی

من چو لب گویم لبِ دریا بود   [2] لب کہوں تو ہے لبِ دریا مُراد
من چو لا گویم مُراد اِلّا بود   لا کہوں تو پھر ہے اِللہ مُراد

من زِ شیرینی نشینم رُو تُرش   [3] معرفت کا ذکر ہے شیریں اثر
من زِ بسیاریٔ قفارم خُمُش   جانتا ہوں چپ ہی رہتا ہوں مگر

تا کہ شیرینیٔ ما از دوجہاں   دوجہاں میں کیوں کروں اِفشا اِسے
در حجابِ رُو تُرش باشد نہاں   خوب ہے یہ راز پردے میں رہے

تا کہ دربہر گوش ناید ایں سخن   ہر کوئی اس راز کے قائل کہاں
یک ہمیں گویم ز صد سِرِّ لدُن   یہ ہے سو رازوں کا اک راز نہاں

چوں ننالم تلخ ازدستانِ اُو   کیوں نہ اُس کے ناز سے رو رو کے خوں
چوں نیم در حلقۂ مستانِ اُو   حلقۂ عشاق میں شامل رہوں

چوں نباشم ہمچو شب بے روزِ اُو   کیوں نہ دن بھی مثلِ شب تاریک ہو
بے وصالِ روئے روز افروزِ اُو   جب نہ دیکھوں روئے روز افروز

[1] مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے عشقِ حقیقی کا ذکر مجملاً کیا ہے اس لیے کہ اگر یہ راز کھل کر بیان کر دیتا تو زبان اس کی تفسیر بیان کرنے سے قاصر رہ جاتی اور عقل بے بس ہو جاتی ہے۔ [2] اگر میں لب کہتا ہوں تو اس کا مطلب لبِ دریائے وحدت ہے اور اگر لا کہتا ہوں تو مطلب اِلّا اللہ ہوتا ہے۔ یعنی اس کے سوا کوئی نہیں۔ [3] اسرارِ معرفت کا ذکر تو بہت شیریں ہے لیکن ان اسرار و رموز کو سمجھنے والے بہت کم ہیں۔ ان مسائل کو وہی سمجھ سکتے ہیں جو اہلِ دل اور اہلِ بصیرت ہوں۔

چشمِ گریاں

نالم ایرا نالہا خوش آید — کیوں نہ میں روؤں وہ ہے رونے سے خوش
از دو عالم نالہ و غم بایدش — دو جہاں کی اشکباری سے ہے خوش

چوں بنالم تلخ از دستانِ او — کیوں نہ اُس کے ناز سے رو رو کے خوں
چوں نیم در حلقۂ مستان او — حلقۂ عشاق میں شامل رہوں

چوں نباشم ہیچو شب بے روزِ او — کیوں نہ دن بھی مثلِ شب تاریک ہو
بے وصالِ روئے روز افروزِ او — جب نہ دیکھوں روئے روز افروز

ناخوشِ او خوش بود در جانِ من — میرا دل خوش ہے جفائے یار پر
جاں فدائے یار دل رنجانِ من — میری جاں قربان دل آزار پر

عاشقم بر رنجِ خویش و دردِ خویش — ۱؎ اپنے دردِ عاشقی پر ہوں فدا
بہر خوشنودی شاہ فردِ خویش — اس سے خوش ہے وہ شہ خوباں مرا

خاکِ غم را سرمہ سازم بہر چشم — ۲؎ خاکِ غم سرمہ بنا اے دیدہ ور
تا ز گوہر پُرشود دو بحرِ چشم — ہوں گے آنکھوں کے سمندر پُر گہر

اشک کاں از بہر او بارند خلق — اُس کی چاہت میں ہوں جو آنسو رواں
گوہر اند و اشک پندارند خلق — وہ گہر ہیں وہ بھلا آنسو کہاں

من ز جانِ جاں شکایت می کنم — جانِ جاناں سے کیا جب بھی گلا
من نیم شاکی حکایت می کنم — اک بہانہ حالِ دل کہنے کا تھا

۱؎ محبوب اپنے چاہنے والے کے درد سے اس لیے خوش ہوتا ہے کہ درد تقاضائے عشق ہے۔ لہٰذا محبوب کی خوشی کے لیے ہم اپنے درد و غم سے خوش ہیں۔ ۲؎ غم کی خاک کو سرمہ بنا کر اپنی آنکھوں میں ڈال تاکہ تیری آنکھوں سے وہ آنسو نکلیں جو گہر کی طرح نایاب اور قیمتی ہوں۔

راستی کن اے فخرِ راستاں رحم کر اے میرِ میراں رحم کر
اے تو صدرو من درت راآستاں تو ہے میرِ آستاں میں سنگِ در

آستان و صدر در معنیٰ جاست [1] پائے یارو سنگِ در جب ہوں بہم
ماو من کو آں طرف کو یارِ ماست ہو من و تو کا تصورر کا لعدم

اے رہیدہ جانِ تو ازماومن [2] اے کہ تو ہے ماومن سے ماورا
اے لطیفہ روح اندر مردو زن اے کہ تو ہے مرد و زن سے جاں کشا

مردو زن چوں یک شوند آں یک توئی مرد و زن جب ایک ہوں وہ ایک تُو
چونکہ یکہا محو شد آن تک توئی مٹ کے جب سب ایک ہوں وہ ایک تُو

ایں من و ما بہر آں براساختی [3] یہ من و ما اس لیے پیدا کیے
تا تو باخود نردِ خدمت باختی کاروبارِ زندگی ہوتا رہے

تامن و تو باہمہ یک جاں شوند [4] جب من وتو ایک جاں ہو جائیں گے
عاقبت مستغرقِ جاناں شوند جانِ جاناں سبھی کھو جائیں گے

ایں ہمہ ہست وبیاا ے امرِ کُن اے کہ سب کا حاکمِ اعلیٰ ہے تُو
اے منزہ از بیان و از سُخن اے کہ نطق و حرف سے بالا ہے تُو

چشمِ جسمانی تماند دیدنت [5] تجھ کو آنکھیں دیکھ پائیں کس طرح
در خیال آرد غم و خندیدنت اور تصور میں بھی لائیں کس طرح

[1] پہلے شعر میں محبوب کو میرِ آستاں کہا اور خود کو سنگِ در لہٰذا اس سے دوئی کا اظہار ہوا جو فنا فی اللہ کی حالت کے خلاف ہے اس لیے اس شعر میں اس کا تدارک کیا ہے۔ [2] ذاتِ حق واحد ہے یہ ممکنات اُس کے عارضی شہود ہیں وہی ذاتِ واحد لطیفۂ روح ہے جو مرد و زن کے عارضی جسم کو قائم کیے ہوئے ہے۔ [3] مخلوقاتِ عالم [4] جب ممکنات کے یہ عارضی تعینات ختم ہو جائیں گے تو وہی ذاتِ واحد قیوم باقی رہ جائے گی۔ [5] اب مولانا مضمونِ بالا سے گریز کرتے ہیں کہ یہ کہنا غلط ہے۔ ہماری جسمانی آنکھ کب اس کا مشاہدہ کر سکتی ہے۔

دل کہ اُوبستہ غم و خندیدن ست　　راحت و غم میں ہو جو دل مبتلا
تُو بگوئے لائقِ آں دیدن ست　　کب ہے اُس کی دید کے قابل بھلا

باغِ سبز عشق کو بے منتہا ست　　[1] عشق کے گلشن میں جو ہے دائمی
جُز غم و شادی درو بس میوہاست　　ہیں ثمر جُز شادی و غم اور بھی

عاشقی زیں ہر دو حالت برتر ست　　[2] عشق ہے ان حالتوں سے ماورا
بے بہار و بے خزاں سبز و تر ست　　بے بہار و بے خزاں بھی خوشنما

دہ زکوٰۃ روئے خود اے خوبرو　　کر عطا روئے دلآرا کی زکوٰۃ
شرحِ جانِ شرحہ شرحہ باز گو　　سن ذرا اِس جانِ صد پارہ کی بات

چوں گریزانی زنالہ خاکیاں　　ہے گریزاں خاکیوں کی آہ سے کیوں
غم چہ ریزی بردلِ غمناکیاں　　غمزدوں کے دل پہ غم پاشی ہے کیوں

اے جہانِ کہنہ را تو جانِ نُو　　[3] اے جہانِ کہنہ کے روح و رواں
از تن بے جان و دل افغاں شنو　　اس تنِ بے جان و دل کی سن فغاں

تافت نورِ صبح ما از نورِ تو　　[4] تجھ سے روشن ہے مرا نورِ سحر
در صبوحی با مئے منصورِ تو　　تیری چاہت سے صبوحی پُر اثر

دادۂ حق چوں چنیں دارد مرا　　[5] میری حالت دادِ حق ہے بے گماں
کہ بُوَد بادہ طرب آرد مرا　　بادۂ دنیا میں یہ مستی کہاں

[1] عشقِ الٰہی کا باغ جو دائمی ہے اس میں غم و شادی کے علاوہ بھی بے شمار ثمرات ہیں۔ جو زیادہ پائیدار اور راحت دینے والے ہیں۔
[2] عشقِ الٰہی عارضی کیفیات سے بے نیاز ہے۔ یہ باغ بہار و خزاں کے بغیر بھی ہمیشہ خوش رنگ و خوشنما رہتا ہے۔
[3] دنیا میں چونکہ تغیرات آتے رہتے ہیں اس لیے اسے کہنہ کہا اور ذات پاک جو قائم و دائم ہے وہ دنیا کے لیے بمنزلہ جان ہے اور ہر روز اس کی ایک نئی شان کا ظہور ہوتا ہے۔
[4] ہماری زندگی نورِ ربانی اور عنایاتِ یزدانی سے ہی منور رہتی ہے اور اس کی ذات پاک کی محبت سے جامِ حیات میں کیف و مستی موجود ہے۔
[5] زندگی کی تمام رونق اور روحانی کیفیات اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہیں ورنہ دنیاوی وسائل سے وہ سکون اور اطمینانِ قلبی حاصل نہیں ہو سکتا جو عشقِ الٰہی سے ملتا ہے۔

بادہ در جو ششِ گدائے جوشِ ما [1] جوشِ مے محتاج میرے جوش کا
چرخ در گردش فدائے ہوشِ ما اور فلک شیدا ہے میرے ہوش کا

بادہ از ما مست شد نے ما ازو مست ہے مے ہم سے ہم اُس سے نہیں
قالب از ما ہست شد نے ما ازو جسم بھی ہے ہم سے ہم اُس سے نہیں

[1] ذات پاک کی محبت سے انسان کو جو مستی ملتی ہے دنیا کی بہترین شراب کی مستی بھی اس کے سامنے ہیچ ہے اور اس عالم مستی میں شہدائے حقیقی کے وجد کے سامنے آسمان کی گردش بے حقیقت ہے۔

تفسیر

مَاشَاءاللہ کَانَ وَمَالَم یَشَالَم یَکُن

(جو اللہ نے چاہا ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا)

ایں ہمہ گفتیم لیک اندر بسیچ   جو کہا میں نے ارادہ جو کیا
بے عنایاتِ خدا ہیچیم ہیچ   سب عبث ہیں بے عنایاتِ خدا

اے خدا اے قادر بیچون و چند   اے خدا اے قادر ہر دو جہاں
از تو پیدا شد چنیں قصرِ بلند   تو نے ہی پیدا کیا ہے آسماں

واقفی از حالِ بیرون و دروں   جانتا ہے ظاہر و باطن کو تو
بے کم و بے بیش و بے چندی و چوں   تجھ پہ ہے سب آشکارہ مو بمو

اے خدا اے فضلِ تو حاجت روا   اے خدا تیرا کرم حاجت روا
با تو یادِ ہیچ کس نبود روا   جز ترے ہے یاد سب کی ناسزا

ایں قدر ارشاد تو بخشیدۂ   ہر قدم پہ رہنمائی تو نے کی
تابدیں بس عیبہا پوشیدۂ   یوں چھپائے میرے اکثر عیب بھی

[1] قطرۂ دانش کہ بخشیدی ز پیش   علم کا قطرہ جو بخشا ہے مجھے
متصل گرداں بدریا ہائے خویش   اپنے بحرِ علم میں ضم کرا ہے

قطرۂ علم است اندر جانِ من   علم کا قطرہ جو میری جاں میں ہے
وارہانش از ہوا و خاکِ تن   حرصِ دنیا سے بچا رکھنا اُسے

[1] انسان کا علم جو اُسے حق تعالیٰ نے بخشا ہے قادرِ مطلق کے علم کے سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں۔

پیش ازیں کیں خاکہا خسفش کند   پیش ازیں کہ جذب کرلیں مٹیاں
پیش ازیں کیں بادہا نشفش کند   پیش ازیں کہ خشک کردیں آندھیاں

گرچہ چوں نشفش کند تو قادری   تیری قدرت میں ہے تو چاہے اگر
کش ازیشاں واستانی وآخری   یہ ہوا اور مٹیاں ہوں بے اثر

قطرۂ کو در ہوا شد یا کہ ریخت   قطرہ اُڑ جائے کہ بہہ جائے بھلا
از خزینۂ قدرتِ تو کے گریخت   وہ تری قدرت سے ہے کب ماورا

گر در آید در عدم یا صد عدم   اک عدم کیا سو عدم کی راہ سے لا
گربخوانید او کند از سر قدم   لوٹ آئے اِک اشارے پہ ترے

[1] صد ہزاراں ضد ضدرامی کشد   انگنت اشیاء کہ ہوتی ہیں فنا
بازشاں فصلِ تو بیروں می کشد   تو انھیں کرتا ہے پیدا پھر سدا

از عدمہا سوئے ہستی ہر زماں   اور عدم سے سوئے ہستی ہر زماں
ہست یارب کارواں در کارواں   جارہے ہیں کارواں کے کارواں

در خزاں بیں صد ہزاراں شاخ و برگ   ڈالیاں پتے خزاں میں سب کے سب
از ہزیمت رفتہ در دریائے مرگ   موت کے دریا میں کھو جاتے ہیں جب

زاغ پوشیدہ سیہ چوں نوحہ گر   باغ میں کوے سیاہ پوشاں ہوئے
در گلستاں نوحہ کردہ بہ خضر   سبزۂ و گُل کے لیے نالاں ہوئے

باز فرماں آید از سالارِ دہ   پھر زمیں کو ربّ کا یہ فرماں ملا
مر عدم را کانچہ خوردی بازدہ   اُن کو لوٹا جو ہوئے تجھ میں فنا

آنچہ خوردی وادہ اے مرگِ سیاہ   جو بھی کھایا تو نے اے مرگِ سیاہ
از نبات و ورد واز برگ و گیاہ   سب کو لوٹا گُل ہوں پتے یا گیا

[1] دنیا میں تنازع للبقا کا عمل جاری ہے جو اشیا فنا ہو جاتی ہیں قدرت انہیں پھر پیدا کر دیتی ہے۔

اے برادر عقل یک دم باخودآر   سوچ عقل و ہوش سے اے جانِ جاں
دمبدم در تو خزان ست و بہار   [1] تجھ میں بھی ہیں فصِ گُل فصلِ خزاں

اے برادریک دم از خود دور شو   چھوڑ خود کو تھام دامن ہوش کا
باخود آو غرقِ بحرِ نور شو   اور بحرِ نور میں ہو جا فنا

باغِ دل را سبز و ترّو تازہ بیں   ہوگا تیرا باغِ دل بھی پُر بہار
پُر ز غنچہ و ورد و سرو و یاسمیں   اور گُل بوٹوں پہ آئے گا نکھار

زانبہیِ برگ پنہاں گشتہ شاخ   دیکھ پتّوں سے چھپی ہیں ٹہنیاں
زانبہیِ گُل نہاں صحرا و کاخ   کاخ و صحرا کثرتِ گل سے نہاں

ایں سخن ہائیکہ از عقلِ کُل ست   سُن کہ یہ سب ذاتِ حق کے ہیں سُخن
بوئے آں گلزارِ سرو و سُنبل ست   جس کی خوشبو سے مہکتے ہیں چمن

بوئے گُل دیدی کہ آنجا گُل نبود   [2] بوئے غنچہ ہے یہ غنچے کے بغیر
جوشِ مُل دیدی کہ آنجا مُل نبود   نغمۂ مے ہے مگر مے کے بغیر

بُو قلاؤزِ ست رہبر مر ترا   [3] یہ مہک ہی رہنما ہوگی تری
می بَرد تا خُلد و کوثر مر ترا   خلد و کوثر تک کرے گی رہبری

بُو دوائے چشم باشد نور ساز   [4] یہ مہک بیمار آنکھوں کی دوا
شد ز بوئے دیدۂ یعقوب باز   اور مداوا دیدۂ یعقوب کا

بوئے بد مر دیدہ را تاری کند   بوئے بد سے چشمِ روشن بھی سیاہ
بوئے یوسف دیدہ را یاری کند   بوئے یوسف سے ہو پھر روشن نگاہ

[1] انسان کے اندر خزاں کا مطلب ہے تعلقاتِ دُنیا سے متعلق ہونا اور بہار کا مطلب معارف و جاودانیہ سے سرفراز ہونا۔

[2] ذکرِ الٰہی کی مہک کے لیے نہ تو گُل و گلزار کی ضرورت ہے اور نہ اس کی مستی کے لیے شراب کی حاجت ہے۔

[3] ذکرِ الٰہی سے جو باطنی مہک پیدا ہوگی وہ خلد و کوثر تک رہنمائی کرے گی۔

[4] دنیاوی محبت کی مہک سے انسان اندھا ہو جاتا ہے۔ اور بوئے یوسف یعنی عشقِ حقیقی کے خوشبو سے دیدۂ دل پُرنور ہوتے ہیں۔ بوئے یوسف اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب حضرت یوسفؑ کے پیراہن کی خوشبو سے حضرت یعقوبؑ کی بینائی بحال ہوگئی۔

تو کہ یوسف نیستی یعقوب باش تو اگر یوسف نہیں یعقوب بن
ہمچو او باگریہ و آشوب باش اشک برساؤکھ اُٹھا مجذوب بن

چوں تو شیریں نیستی فرہاد باش تو نہیں شیریں تو بن جا کوہ کن
چوں نہ لیلیٰ تو مجنوں گرد فاش تو اگر الیلیٰ نہیں تو قیس بن

آیت: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ کے معانی

(چلائے دو دریا مل کر چلنے والے۔ان دونوں میں ایک پردہ ہے تا کہ ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے)

اہلِ نارو خلدرا ہیں ہمدُکان ساتھ ہیں گو خلد و دوزخ کے مکیں
درمیانش بَرزَخٌ لَا یَبغِیان بیچ میں پردہ ہے وہ یکجا نہیں

اہلِ نار و اہلِ نور آمیختہ ۱ اہلِ نار و نور ہیں گو ہم طواف
درمیانش کوہ قاف انگیختہ در میں اُن کے کھڑا ہے کوہ کاف

اہلِ نار نور باہم درمیاں اہلِ نار و نور گو ہیں ہم قطار
درمیانش بحرِ ژرفِ بیکراں درمیاں اُن کے ہے بحرِ بے کنار

ہمچو در کاں خاک و زر کرو اختلاط کان میں ہیں خاک و زر گو یارِ غار
درمیانش صد بیاباں و رباط درمیاں ان کے ہیں پردے بے شمار

ہمچنانکہ عِقد در دُرّ و شبہ ۲ پوتھ اور موتی ہوں جیسے ہار کے
مختلط چوں میہمانِ یک شبہ بَس اکٹھے رات بھر کے واسطے

صالح و طالح بصورت مُشتَبِہ نیک و بد ہم شکل ہیں تو کیا ہوا
دیدہ بکشا بُو کہ گردی منتبہ چشم وا سے دیکھ دونوں ہیں جُدا

بحر را نیمیش شیریں چوں شکر ایک حِصہ بحر کا جیسے شکر
طعم شیریں رنگ روشن چوں قمر خوش مزا پُر نور جیسے ہو قمر

۱ اگرچہ نیک وبد یکجا ہوں ان کے درمیان اعمال اور جزا و سزا کا پہاڑ حد فاصل ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں بہت فرق ہوتا ہے۔
۲ جس طرح ہار کے موتی رات بھر کے لیے ایک ساتھ ہوتے ہیں اور اگلے روز جدا ہو جائیں گے۔

نیم دیگر تلخ ہچوں زہر مار   دوسرا حصّہ ہے جیسے زہر مار
طعم تلخ و رنگ مظلم قیر وار   سخت کڑوا اور کالا قیروار

ہر دو برہم میزنداز تخت و اوج   [۱] دونوں ٹکراتے ہیں آپس میں سدا
بر مثالِ آبِ دریا موج موج   تند دریاؤں کی موجوں کی طرح

صورتِ برہم زدن از چشمِ تنگ   تنگ نگاہی سے ہو پیدا جو فساد
اختلاطِ جانہا در صلح و جنگ   جان و دل اُس کے اثر سے پُر عناد

موجہائے صلح بُرہم میزند   [۲] پیار پھیلاتے ہیں ہر سو اہلِ نور
کینہ ہا از سینہ ہا بُری کنند   بُغض کو سینوں سے کر دیتے ہیں دُور

موجہائے جنگ در شکلِ دگر   [۳] نفرتوں کے سیل سے وہ اہلِ نار
مہر ہار امی کنند زیر و زبر   بے نشاں کرتے ہیں الفت کے حصار

مہر تلخاں رابہ شیریں می کشد   [۴] تلخ بھی ہوتا ہے شیریں پیار سے
زانکہ اصلِ مہر ہا باشد رَشد   بس یہی تو پیار کا انداز ہے

قہر شیریں را بہ تلخی می بَرد   قہر سے میٹھا بھی ہو جاتا ہے تلخ
تلخ با شیریں کجا اندر خورد   کب بھلا میٹھے کے سنگ رہتا ہے تلخ

تلخ و شیریں زیں نظر ناید پدید   [۵] تلخ و شیریں کے حقیقی مرحلے
از دریچہ عاقبت دانند دید   دیکھنے کو چشمِ بینا چاہیئے

[۱] نوری اور ناری کا آپس میں ٹکراؤ رہتا ہے لیکن دونوں کی حالت چونکہ لازمی ہے اس لیے برقرار رہتی ہے۔

[۲] نوریوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ناریوں کے دلوں سے کینہ دور ہو اور ان کی محبت پیدا ہو جائے۔

[۳] ناری اس کے برعکس عداوت پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ محبت کا غلبہ نہ ہو۔

[۴] نوری ناریوں کو محبت کی طرف کھینچتے ہیں اس لیے کہ یہی ان کی روش ہے۔

[۵] اچھائی اور برائی کی کشش کو جانچنے کے لیے حقیقت آشنا نظر کی ضرورت ہوتی ہے۔

چشمِ آخر بیں تواند دید راست [1] چشمِ بینا ہے حقیقت آشنا
چشمِ اوّل بیں غرورست و خطاست چشمِ کوتاہ بیں ہمیشہ پُر خطا

اے بسا شیریں کہ چوں شکر بُود ظاہراً میٹھا نظر آتا ہے وہ
لیک زہر اندر شکر مُضمر بُود زہر ہے شکر میں پوشیدہ وہ

آنکہ زیرک تر بود بشناسدش دیدہ ور پہچان لیتا ہے اُسے
چونکہ دید از دورش اندر کشمکش دہرے پن سے جان لیتا ہے اُسے

واں دگر ورپیشِ رو بوئے بُرد اِک اُسے بس دیکھتے ہی جان لے
واں دگرچوں دست بہد کرد رو دوسرا پہلی نظر میں رڈ کرلے

واں دگر بشناسدش تا بُو کند ایک پہنچانے اُسے ملنے کے بعد
واں دگرچوں برلب دنداں نہد دوسرا جانے بَرت لینے کے بعد

پس لوش رڈش کند پیش از گلو [2] حلق سے پہلے ہی رَد کرتے ہیں لب
گرچہ نعرہ می زند شیطاں گلو گو کہ شیطاں ہے بضد کھا جاؤ سب

واں دگررا در گلو پیدا کند [3] ایک جب اُترے حلق سے جان لے
واں دگررا در بدن رسوا کند دوسرا جب تن میں پہنچے جان لے

واں دگررا درحدث سوزش کند [4] ایک جب تن سے جدا ہو جان لے
دمبدم زخمِ جگر دوزش دہد ہر گھڑی ہر لحظہ اُس کو زخم دے

واں دگررا بعدِ ایام و شہور [5] ایک پہچانے کئی سالوں کے بعد
واں دگر را بعدِ مرگ اندر قبور دوسرا مٹی میں دب جانے کے بعد

[1] یہاں سے مولانا حقیقی اور ظاہری نظر اکا ذکر شروع کرتے ہیں اور ان کے مختلف مراتب کو بیان فرماتے ہیں۔ [2] بعض انہیں پہچانتے کے بعد ان کی باتوں پر عمل پیرا نہیں ہوتے اگرچہ شیطان گمراہ کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ [3] بعض اس وقت پہچانتے ہیں جب ان کی باتوں سے کچھ اثر ہونے لگتا ہے اور دوسرا اس وقت جب ان باتوں کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔ [4] بعض کو گہرے اثرات مرتب ہونے کے بعد احساس ہوتا ہے۔ [5] بعض کچھ مدت گزرنے کے بعد جعلی پیر کی باتوں کے برے اثرات محسوس کرتے ہیں جب کہ بعض کو موت کے بعد احساس ہوگا۔

ہر نبات و شکرے رادر جہاں　[1] قند کو شکر کو بننے کے لیے
مہلتے پیداست ازدورِ زماں　ایک مدّت اک زمانہ چاہیئے

سالہا باید کہ تا از آفتاب　مدّتوں سورج کی گرمی چاہیئے
لعل یا بدرنگ و رخشانی و تاب　لعل کو تابندہ ہونے کے لیے

پنج سال و ہفت یابید تا درخت　چند سالوں میں ہی ہوتا ہے شجر
یا بداز میوہ رسانی فرّۃ بخت　سر بُلند و خوشنما و پُرثمر

بہر ایں فرمود حق عزو جَل　[2] قولِ حق ہے سورۃ الانعام سے
سورۃ الانعام در ذکرِ اَجَل　تم بنے ہو ایک مدت کے لیے

نکتہ دیگر تو بشنو اے رفیق　[3] اِک نیا نکتہ سنو میرے رفیق
ہمچوں جاں اُو سخت پیدا و دقیق　روح کی مانند ظاہراور دقیق

در مقامے ہست ایں ہم زہر مار　اک جگہ ہے سم قاتل بے گماں
از تصاریفِ خدائے خوشگوار　حکمِ ربی سے کہ جو ہے مہرباں

در مقامے زہر و در جائے دوا　[4] اک جگہ ہے زہر اک جاہے دوا
در مقامے کفر و در جائے روا　اک جگہ ہے کفر اک جا ہے روا

در مقامے خار و در جائے چو گُل　اک جگہ کانٹا ہے اک جاہے گلاب
در مقامے سرکہ در جائے چو مُل　اک جگہ سرکہ ہے اک جاہے شراب

[1] جس طرح قند و شکر بنتے ہیں وقت لگتا ہے اسی طرح لعل ایک مدت کے بعد لعل بنتا ہے اور درخت کو پھل دار بننے کے لیے کچھ سال لگتے ہیں۔

[2] سورۃ الانعام میں ارشادِ ربانی ہے کہ ھوالذی خلقکم من طین ثم قضیٰ اجلا
یعنی وہی ہے جس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا پھر ایک میعاد ٹھہرادی۔

[3] یہاں سے مولانا ایک نئے موضوع کا آغاز کرتے ہیں یعنی اگرچہ من جانب اللہ ہر چیز کے لیے میعاد مقرر ہے لیکن اس کے مختلف پہلو ہیں جو خدائے ذوالجلال کی قدرت سے متعلق ہیں اور قدرتِ الٰہی سے ایک ہی عمل کے دو مختلف ردِ عمل ہیں۔

[4] جو لوگ اسباب کی کثرت کو غیرِ حق سمجھتے ہیں ان کے لیے یہ زہر ہے اور جو کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کے پے دوا ہے۔

در مقامے خوف و در جائے رَجا   [1] اک جگہ ہے خوف اک جا آسرا
در مقامے بخل و در جائے سخا   اک جگہ بخل اک جاہے سخا

در مقامے فقر و در جائے غنا   اک جگہ ہے فقر[2] اک جاہ غنا
در مقامے قہر و در جائے رضا   اک جگہ ہے قہر اک جاہے رضا

در مقامے جور و در جائے وفا   [3] اک جگہ ہے ظلم اک جاہے وفا
در مقامے منع و در جائے عطا   اک جگہ ہے جبر اک جاہے عطا

در مقامے دُرد و در جائے صفا   اک جگہ تلچھٹ ہے اک جا ہے صفا
در مقامے خاک و جائے کیمیا   اک جگہ مٹی ہے اک جا کیمیا

در مقامے عیب و در جائے ہنر   اک گہ ہے عیب اک جاہے ہنر
در مقامِ سنگ و در جائے گہر   اک جگہ پتھر ہے اک جاہے گہر

در مقامے حنظل و جائے شکر   اک جگہ تلخ اک جاہے شکر
در مقامے خشک و در جائے مطر   اک جگہ ہے خشک اور اک جاہے تر

در مقامے ظلم و جائے محضِ عدل   اک جگہ ہے ظلم اک جا عدل ہے
در مقامے جہل و جائے عینِ عقل   اک جگہ ہے جہل اک جا عقل ہے

گرچہ ایں جا اُو گزندِ جاں بُود   گو یہاں پہ وہ بلائے جان ہے
چوں بہ انجا در رسد درماں بُود   پہ ہواں پہ وہ دوائے جان ہے

آب در غورہ تُرش باشد و لیک   [4] ہے کچے انگوروں کا رس ہے ترش سا
چوں بانگوری رسد شیرین و نیک   جب وہ پک جائے تو بے حد خوش مزا

[1] یہی مسئلہ کبھی خوف پیدا کرتا ہے کبھی امید۔ [2] کہیں دولتِ ایمان سے تہی دست بنا دیتا ہے اور کہیں ایمان و ایقان سے مالا مال کر دیتا ہے۔ کبھی قہرِ خداوندی کا سبب بنتا ہے اور کبھی رضائے الٰہی کا۔ [3] جب اس مسئلہ کو غلط سمجھا جائے تو ظلم کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اگر صحیح سمجھیں تو بھلائی کا ساماں پیدا کرتا ہے۔ [4] اگر اس مسئلہ کو نیم پختہ عقائد کے زیرِ اثر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو نتائج ترش ہوں گے اور اگر ایمانِ کامل کی روشنی میں دیکھا جائے تو نہایت خوشگوار ثابت ہوں گے۔

باز درِخُم اُو شود تلخ و حرام   جام میں پہنچے تو کڑوا اور حرام
در مقامے سُر کگے نعم الادام   اور بنے سرکہ تو ہے جانِ طعام

ایں چنیں باشد تفاوت در اُمور   زندگی میں اس تفاوت کو سدا
مردِ کامل ایں شناسد در ظہور   دیکھ لیتا ہے جو ہو مردِ صفا

دیدۂ دل

چشمِ دل از موئے علت پاک آر   دل کی آنکھیں عِلّتوں سے پاک کر
وانگہاں دیدارِ قصرش[1] چشم دار   جب کہیں وہ قصر[1] آئے گا نظر

چوں محمدؐ پاک شد از نارو دود   [2]پاک تھے حرص و ہوس سے مصطفیٰؐ
ہر کجا رو کرد وجہُ اللہ بود   دیکھتے تھے ہر طرف ذاتِ خدا

چوں رفیقِ وسوسہ بد خواہ را   تم ہو بدخواہ وسوسوں کے ہمنوا
کے بہ بینی ثَمّ وجہُ اللہ را   دیکھ سکتے ہو کہاں ذاتِ خدا

ہر کرا باشد زسینہ فتحِ باب   جس کے سینے کا ہو دروازہ کھلا
اُو زِ ہر ذرّہ بہ بیند آفتاب   ذرّوں میں دیکھے گا جلوہ مہر کا

حق پدید است درمیانِ دیگراں   ذاتِ حق روشن ہے سب کے درمیاں
ہمچو ماہ اندر میانِ اختراں   چاند ہو تاروں میں جیسے ضوفشاں

دوسرِ اِنگشت بر دو چشم نہ   [3]انگلیاں آنکھوں پہ رکھ اور سچ بتا
ہیچ بینی از جہاں انصاف دہ   تجھ کو یہ دنیا نظر آتی ہے کیا؟

ورنہ بینی ایں جہاں معدوم نیست   گر نہیں تو کیا یہ دنیا مٹ گئی
عیب جز انگشتِ چشمِ شوم نیست   یا نفس کی تیرگی میں گم ہوئی

[1] قصر سے مراد عرش بریں یعنی اگر تمہاری آنکھیں دنیاوی علتوں سے پاک ہوں اور انہیں صرف بارگاہ خداوندی کا جلوہ دیکھنے کی آرزو ہو تو پھر تمہیں وہ نظر آئے گا۔

[2] آنحضرتؐ چونکہ خواہشات نفسانی اور ان کے اثرات سے پاک تھے اس لیے وہ جس طرف رخ کرتے ذاتِ خداوندی کا دیدار ہوتا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے "اینما تولوا فثم وجه الله" تم جدھر کا رخ کرو وہاں اللہ کی ذات موجود ہے

[3] اگر کوئی شخص انگلیوں سے آنکھیں بند کرے اور اسے دنیا نظر نہ آئے اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا معدوم ہو گئی ہے۔ اسی طرح اگر دنیاوی حرص و ہوس سے دل کی آنکھیں بند ہوں تو دیدارِ حق ممکن نہیں گو حق ہر طرف موجود ہے۔

تو ز چشم انگشت را بردار ہیں [1] ہاں ذرا انگلی ہٹا کر آنکھ سے
وانگہا نے ہر چہ میخواہی ببیں دیکھنا جو چاہتا ہے دیکھ لے

رُو و سر در جامہا پیچیدہ اید [2] تم نے جب سر اور منہ لپٹا لئے
لا جرم با دیدہ و نادیدہ اید حیف بینا ہو کے نابینا ہوئے

آدمی دیدست باقی پوست ست کچھ نہیں ہم چشم بینا کے سوا
دید آنست آں کہ دید دوست ست دیکھنا بس دیکھنا ہے یار کا

چونکہ دید دوست نہ بود کور بہ آنکھ وہ جو یار کو دیکھا کرے
دوست کو باقی نہ شد دور بہ خوب ہے وہ یار جو باقی رہے

[1] جب دل کی آنکھوں پر سے دنیاوی ناپاکیوں کی انگلیاں ہٹالیں تو پھر ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ ممکن ہوگا۔
[2] یہاں مولانا قرآن حکیم کی اس آیت کا حوالہ دیتے ہیں جو نوح علیہ السلام کی قوم کے بارے میں ہے۔
استغشو ثیابھم یعنی انہوں نے اپنے کپڑے اپنے اوپر اوڑھ لیے۔ حضرت نوح کی قوم نے ان کی باتیں نہ سننے کی غرض سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور سر اور منہ کو کپڑے سے ڈھانپ لیا تو حضرت نوحؑ نے جو فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک تمہارا کفر برقرار ہے ثواب کب آئے گا۔

عرضِ نیاز

بِگِل مخور گِل را مخر بِگِل را مجو
زانکہ گِلِ خورست دائم زرد رُو

ا خاک مت کھا خاک مت لے چھوڑ دے
زرد رُو ہو جائے گا تو خاک سے

دل بجو تا دائماً باشی جواں
از تجلّی چہر اَت خوں اَرغواں

۲ دل کو اپنا ؤ رہو ہر دم جواں
مثلِ گُل چہرہ ہو تیرا ارغواں

طالبِ دل شو کہ تا باشی چو گُل
تا شوی شاداں و خنداں ہمچو مُل

۳ طالبِ دل بن مہک گُل کی طرح
مُسکرا مانند مے خوشیاں لُٹا

دل نباشد آنکہ مطلوبش بِگِل است
ایں سخن را روئے با صاحب دل است

دل وہ کیا جس کو طلب ہو خاک کی
اہلِ دل رکھتے ہیں اس کی آگہی

یارب ایں بخشش نہ حدِّ کارِ ماست
لطف تو لطفِ خفی را خود سزاست

۴ یہ بلندی اپنے بس میں ہے کہاں
لطف لطفِ خاص سے کر مہرباں

دست گیر از دستِ ما مارا بخر
پردہ را بردار و پردہ ما مدر

آمدو کر اور ہمیں ہم سے خرید
ہم ترے بن کر نہ ہوں رسوا مزید

باز خر مارا ازیں نفسِ پلید
کاردش تا استخوانِ ما رسید

نفسِ امارہ کو کر ہم سے جدا
جان و دل اِس سے ہیں زخمی اے خدا

۱ وہ افراد جو اپنی قابلیت پر نازاں ہوتے ہیں مولانا فرماتے ہیں کہ یہ عمل مٹی کھانے کے برابر ہے جس سے انسان زرد رو ہو جاتا ہے۔

۲ کسی اہلِ دل کے ہو جاؤ تاکہ تمھیں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

۳ وہ دل جو مادیات کا طالب ہو حقیقتاً دل ہی نہیں حقیقی دل تو بے بہا چیز ہے اور متاعِ بے بہا کسی ارزاں چیز کا شیدائی نہیں ہو سکتا اور اس حقیقت سے اہلِ دل آگاہ ہوتے ہیں۔

۴ دنیا میں رہتے ہوئے دنیاوی رغبتوں سے دامن چھڑانا آسان کام نہیں اس لیے مولانا حق تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ اس مشکل کام میں میری مدد فرما۔

از چوما بیچارگاں ایں بندِ سخت　　ہم ہیں بے بس تو ہے شاہِ دوسرا
کے کشاید اے شہِ بے تاج و تخت　　کون کھولے جز ترے یہ بند پا لے

ایں چنیں قفلِ گراں را اے ودو　　کون کھولے نفس کا قفلِ گراں ۲
کہ تو اند جز کہ فضلِ تو کشود　　جز ترے اے بندہ پرور مہرباں

ماز خود سوئے تو گردانیم سر　　خود ہی آئے ہیں تری جانب سنو
چوں توئی از ما بما نزدیک تر　　۳ ہم سے بڑھ کر ہم سے تم نزدیک ہو

باچنیں نزدیکی دوریم دور　　اس قدر نزدیک ہو کر دور ہیں
درچنیں تاریکی بفرست نور　　نور افشانی کرو بے نور ہیں

ایں دعا ہم بخشش و تعلیم تست　　۴ تو نے ہی بخشی ہے توفیق دُعا
ورنہ در گلخن گلستاں ازچہ رُست　　ورنہ بھٹی میں ہے کب گلشن کھلا

درمیانِ خون و رودہ فہم و عقل　　جسمِ انسانی میں یہ عقلِ رسا
جز ز اکرام تو نتواں کرد نقل　　ہے ترے لطف و کرم کا معجزہ

از دو پارہ پیہ ایں نورِ رواں　　۵ اور آنکھوں کی یہ موجِ نور بھی
موج نورش می زند تا آسماں　　آسماں کو چھو رہی ہے ہر گھڑی

گوشت پارہ کہ زباں آمدازو　　۶ گرچہ ٹکڑا گوشت کا ہے یہ زباں
می رود سیلاب حکمت بجو بجو　　دانش و حکمت کی ہے نہرِ رواں

۱ نفسِ انسانی کی بیڑیاں۔　　۲ نفسانی خواہشات کی بندشیں۔
۳ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ تمہارے نزدیک ہوں۔
۴ انسانی جسم میں عقل جیسی چیز پیدا کرنا قدرت الٰہی کی دوسری مثال ہے۔
۵ انسان کی آنکھوں کو وہ نور عطا کیا جس سے وہ کائنات کا مشاہدہ کرتا ہے قدرت خدا کی تیسری مثال ہے۔
۶ زبان جو محض گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اس سے نکلی ہوئی علم و حکمت کی باتیں کانوں تک پہنچتی ہیں اور کانوں سے دل تک جس سے انسان کا شعور بیدار رہتا ہے۔ یہ ذات الٰہی کی قدرت کی چوتھی مثال ہے۔

سوئے سو راخے کہ نامش گو شہاست   کان و ہ نعمت ہیں جو جاں کیلئے
تا بباغ جاں کہ میوہ اش ہو شہاست   علم و عرفاں کے ہیں تحفے بھیجے

شاہراہِ باغِ جانہا شرعِ اُوست   باغِ جاں کی ہے شریعت سے بہار
باغ و بستا نہائے علام فرعِ اوست   دوسرے سب باغ اِس کے شاخسار

اصلِ و سر چشمہ خوشی آنست آں   ہر مسرت کا ہے سرچشمہ وہی
زود تجری تحتِہا الانہار خواں   دیکھ قرآں میں بشارت [1] خلد کی

قصۂ رنجور گو با مصطفٰے   مصطفٰےؐ کو [2] داستانِ غم سُنا
زانکہ لطفِ حق ندارد منتہٰی   رحمتِ حق کی نہیں ہے انتہا

شکرِ نعمت چوں کنی چوں شکر تو   [3] شکرِ نعمت کس طرح ہو گا ادا
نعمتِ تازہ بود ز احسانِ اُو   ہے ادائے شکر بھی دادِ خدا

عجزِ تو در شکر شکر آمد تمام   شکر حق کرنے میں تیری عاجزی
فہم کن دریاب قد تم الکلام   بس سمجھ لو ادائے شکر ہی

[1] انسانی علم وحکمت کا سرچشمہ وہی ذات الٰہی ہے۔ جس طرح جنت میں بہنے والی نہریں ہمیشہ رواں ہیں اسی طرح یہ ورنگار عالم کا سرچشمہ دانش وہدایت بھی سدا جاری وساری ہے مولانا نے اس آیت میں نہروں سے حکمت الٰہیہ اور معارف خداوندی کی مراد لی ہے۔

[2] آنحضرتؐ کی ذات اور تعلیمات سے ہدایت حاصل کر کے حق تعالیٰ کی بے انتہا نعمتوں سے فیضیاب ہو۔

[3] حق تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا کیسے ممکن ہے اس لیے کہ شکر نعمت بجائے خود ایک نعمت ہے۔ لہٰذا ادائے شکر ایک لا متناہی سلسلہ ہے اس لیے ہر لحظہ شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔

دَرد و دَرماں

گفت پیغمبرؐ کہ یزدانِ مجید[1] ہے نبیؐ کا قول کہ اللہ نے
از پے ہر درد درماں آفرید درد کے درماں بھی پیدا کیئے

گرچہ درماں جوئی و گوئی بجاں گر طلب درماں کی ہے دل سے کہو
کاے خدا درمانِ کارِ من رساں دکھ دیا ہے اے خدا درماں بھی دو

لیک زاں درماں نہ بینی رنگ و بو [2] کوئی درماں بھی نہ ہوگا کارگر
بہر دردِ خویش بے فرمانِ اُو حکم ربی گر نہ ہو اے ہمسفر

چشم را اے چارہ جو در لامکاں اے شفا کے ڈھونڈنے والے سدا
ہیں بنہ چوں چشمِ کشتہ سوئے جاں[3] تو اُسی کے لطف پہ آنکھیں لگا

کون پہ چارہ است وہ ہیچت چارہ نے ہے ہر اک دکھ کی دوا لیکن شفا
تا کہ بکشاید خدایت روز نے پائے گا تو اُس کے در سے ہی صدا

ایں جہاں اے جہت پیدا شدست یہ جہاں ناپید سے پیدا کیا
کہ ز بے جائے جہاں را جا شدست اِس کی ہست و بود اُس کی عطا

باز گرو از ہست سوئے نیستی چھوڑ دنیا ، کر عدم کی جستجو
گر تو از جاں طالبِ مولیٰیستی ہاں جو دل سے طالبِ مولا ہے تو

[1] حدیث شریف ہے کہ "خدا نے جو بیماری پیدا کی ہے اس کی دوا بھی پیدا کی ہے۔ لہٰذا حق و باطل میں امتیاز نہ کر سکنے کے مرض کی دوا بھی ضرور موجود ہے۔

[2] لیکن دنیا میں کسی مرض کی دوا بشمول جملہ روحانی امراض اس وقت تک کارگر نہیں ہو سکتی جب تک خداوند کریم کا حکم نہ ہو۔

[3] سوئے جاں سے مراد حق تعالیٰ

جائے دخل ست ایں عدم از وئے مُرم　　ہے عدم میں فائدہ ترساں نہ ہو
جائے خرج است ایں وجودِ بیش و کم　　گھٹنے والی ہست پہ نازاں نہ ہو

کارگاہِ صنعِ حق چوں نیستی ست[1]　　کار گاہِ صنعِ حق ہے نیستی
جز معطل درجہانِ ہست کیست　　اور ہستی بے حقیقت عارضی

[1] حق تعالیٰ نیستی سے ہستی میں تبدیل کرتا ہے لہٰذا اس کی ایجاد کا تعلق نیستی سے ہے اس لیے رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو نیست بنا لے تاکہ پروردگار عالم تجھے پھر ہست بنادے اور بقائے ابدی حاصل ہو۔

شیطان کی فتنہ سامانی

استعیذ اللہ من شیطانہٖ — اے خدا شیطان سے دینا پناہ
قد ھلکنا آہ من طغیانہٖ — اُس کے حملوں سے ہوئے ہیں ہم تباہ

یک سگ است و در ہزاراں می رود — اَنگنت افراد کو گمرہ کیا
ہر کہ دروے رفت اُو آں می شود — جس میں وہ داخل ہوا شیطاں بنا

ہر کہ سرِدت کرد میداں گو در وست — ذکرِ حق سے باز رکھے جو تجھے
دیو پنہاں گشت اندر زیر پوست — ہے و شیطاں روپ میں انسان کے

چوں نیاید صورت آید در خیال — [1] خود نہ ہو ظاہر تو پھر اُس کا خیال
تا کشاندآں خیالت در وبال — زندگانی کو بناتا ہے وبال

گہ خیالِ فرجہ و گاہے دکاں — ہے دکان کا اور کبھی زر کا خیال
گہ خیالِ علم و گاہے خان دماں — اور کبھی منصب کا دولت کا خیال

گہ خیالِ مکسب و سوداگری — ہے کبھی کسب و تجارت کا خیال
گہ خیالِ تاجری و داوری — اور کبھی منصب کا دولت کا خیال

گہ خیالِ نقرہ و فرزند و زن — گاہے زر کا زن کا بیٹے کا خیال
گہ خیال بو الفضول و بو الحزن — گاہے یاوہ گو کا غمگیں کا خیال

[1] شیطان کی تباہ کاریوں کے لیے ضروری نہیں کہ وہ خود روبرو آئے۔ وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے انسانی خیالات میں شیطنت کا زہر ملا دیتا ہے جو تباہی کا سبب بنتا ہے۔

گہ خیالِ آسیا و باغ و راغ   گاہے چکی باغ و جنگل کا خیال
گہ خیالِ میغ و ماغ و لیغ و لاغ   گہ غم و شادی کا بادل کا خیال

گہ خیالِ آشتی و جنگہا   امن کا گاہے ہزیمت کا خیال
گہ خیالِ نامہا و ننگہا   گاہے عزت گاہے ذلّت کا خیال

گہ خیالِ کالہ و گاہے قماش   ہے کبھی زیور کا ساماں کا خیال
گہ خیالِ مفرش و گاہے فراش   اور کا بھی فرش اور والاں کا خیال

ہیں بروں کن از سر ایں تخییلہا   سر کو اِن آلائشوں سے پاک کر
ہیں بروب از دل چنیں بدخیلہا   دل کو ان فرمائشوں سے پاک کر

ہاں بگو لاحولہا در ہر زماں   ہر گھڑی لاحول پڑھ اے ہم نشیں
از زباں تنہا نہ بل از عینِ جاں   دل سے پڑھ خالی زباں سے ہی نہیں

دُرِّ حقائق

بہر ۔ ایں گفتند اکابر در جہاں   اک حقیقت ہے بزرگوں کا بیاں
راحۃ الانسان فی حفظ اللسان   سُکھ ملے گا گر ہو قابو میں زباں

در حدیث آمد کہ تسبیح از ریا   قول نبوی ہے کہ زُہد پُر ریا
ہمچو سبزہ گو لخنی واں اے کیا [۱]   جیسے بھٹی میں ہو بوٹا پھول کا

پس بداں کہ صورتِ خوب نکو   اچھی صورت خوب ہے لیکن وہی
باخصالِ بدئیر زو یک تسو   عادتیں اچھی نہ ہوں تو ہے بُری

ور بُود صورت حقیر و ناپذیر   خیر ہے اچھی نہ ہو صورت اگر
چوں بُود خُلقش نکو در پاش میر [۲]   اچھی سیرت ہو تو جاں قرباں

صورتِ ظاہر فنا گردد بداں [۳]   ظاہری صورت تو ہوتی ہے فنا
عالمِ معنی بماند جاوداں   اچھی سیرت ہی کو حاصل ہے بقا

چند باشی عاشقِ صورت بگو   چھوڑ اچھی صورتوں کی آرزو
طالبِ معنی شو و معنی بجو   کر حقیقت کی طلب اور جستجو

چند بازی عشق بانقشِ سبو [۴]   چھوڑ دو جام و سبو کے عشق کو
بگذر از نقشِ سبو آب بجو   جام ہے مے سے طلب مے کی کرو

[۱] جس طرح آگ کی بھٹی میں پھول کا پودا بے ثمر ہوتا ہے اسی طرح ریا کاری کی عبادت بھی بیکار ہوتی ہے۔

[۲] قدر دانی اچھی صورت کی نہیں بلکہ اچھی سیرت کی کرنی چاہیے۔

[۳] اس لیے کہ اچھی صورت تو فنا ہو کر خاک میں مل جائے گی لیکن اچھی سیرت کے نقوش ہمیشہ دلوں پر باقی رہیں گے۔

[۴] ظاہری خوبصورتی کی بجائے اس پاکیزہ روح کی قدر کرو جو جسم میں ہے چاہے جسم ظاہراً خوشنما نہ ہو۔

صورتش دیدی ز معنی غافلی   کھو گئے ظاہر میں باطن بھول کر
از صدف دُر را گزیں گر عاقلی   سیپ سے موتی چنو اے خوش نظر

ایں صدفہائے قوالِب در جہاں   [1] جسمِ انسانی صدف ہیں اور یہاں
گرچہ جملہ زندہ انداز بحرِ جاں   فصلِ ربی سے ہیں زندہ بے گماں

لیک اندر ہر صدف نبُود گہر   [2] ہر صدف میں تو نہ پائے گا گہر
چشم بکشا در دلِ ہریک بنگر   ڈھونڈ اُس کو ہر صدف میں جھانک کر

کانچہ دارد ویں چہ دارد می گزیں   جستجو کے بعد چن اے ہمنشیں
زانکہ کمیاب است ایں درِّ ثمیں   ہے بہت کمیاب یہ دُرِ ثمیں

گر بصورت می روی کو ہے بشکل   [3] ظاہری صورت اگر دیکھیں تو کوہ
در بزرگی ہست صد چنداں کہ لعل   لعل سے صدہا گنا بھاری ہے گو

ہم بصورت دست و پا و چشمِ تو   [4] جیسے سر اور ہاتھ اور پاؤں ترے
ہست صد چنداں کہ نقشِ چشمِ تو   صد گنا ہیں تیری آنکھوں سے بڑے

لیک پوشیدہ نباشد بہ تو ایں   اِس حقیقت سے تو ہے تُو آشنا
کز ہمہ اعضا دو چشم آمد گزیں   سارے اعضا سے ہیں آنکھیں بے بہا

از یک اندیشہ کہ آید در دروں   [5] گاہے دل کے اک ارادے سے یہاں
صد جہاں گردد بیک دم سرنگوں   خاک ہو جاتا ہے یہ سارا جہاں

[1] انسانی جسم حق تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہیں۔
[2] لیکن جس طرح ہر صدف میں موتی نہیں ہوتا اِس طرح ہر جسم میں بھی پاک روح نہیں ہوتی اُسے تلاش کرنا پڑتا ہے۔
[3] جسم کی بڑائی کوئی چیز نہیں۔ لعل جسامت میں چھوٹا ہوتا ہے لیکن پہاڑ سے زیادہ قیمتی۔
[4] انسان کے جسم کے دوسرے اعضاء آنکھوں سے بڑے ہیں لیکن آنکھیں ان سب سے زیادہ قیمتی ہیں۔
[5] انسان کا فکر و خیال بھی معنوی چیز ہے جو سینکڑوں ظاہری ساز و سامان کو تباہ کر سکتا ہے جیسے کسی حکمران کا ایک خیال یا ارادہ بے حد تباہ کاریوں کا سبب بن سکتا ہے۔ آئندہ دو اشعار میں اسی بات کی وضاحت کی گئی ہے۔

جسمِ سلطاں گر بصورت یک بُوَد [1] دیکھنے میں ایک ہے سلطاں مگر
صد ہزاراں لشکرش درپے دَوَد ہیں ہزاروں لشکری زیرِ اثر

باز شکل و صورتِ شاہِ صفی پھر اُسی سلطاں کے سارے فیصلے
ہست محکومِ یکے فکرِ خفی ہیں سدا محتاج اس کی فکر کے

خلق بے پایاں زیک اندیشہ بیں ہاں خدا کے اک ارادے سے یہاں
گشتہ چوں سیلے روانہ برزمیں سیل کی مانند خلقت ہے رواں

خلقِ عالم چوں رَمہ ست و حق شباں خلق ہے ریوڑ خدا ہے پاسباں
میدواند جملہ را روز و شباں رات دن رکھتا ہے وہ سب کو دواں

پس چومی بینی کہ از اندیشۂ [2] اِک اِرادے کی ہے تابع کائنات
قائم است اندر جہاں ہر پیشۂ اک ارادے سے ہے دنیا کو ثبات

خانہا و قصر ہا و شہر ہا یہ محل اور یہ مکاں یہ بستیاں
کوہہا وَ دشت ہا وَ نہر ہا دشت و جنگل کوہسار اور ندیاں

ہم زمین و بحر ہم مہر و فلک [3] اُس کے دم سے بحر و بر اور آسماں
زندہ از وے ہمچو از دریا سمک زندہ ہیں دریا سے جیسے مچھلیاں

پس چرا از ابلہی پیشِ تو کور [4] عقل کا اندھا ہے تو تیرے لیے
تن سلیمان ست و اندیشہ چو مور تن سلیماں ہے ارادہ مور ہے

[1] بادشاہ کا ایک جسم لاکھوں افراد پر اپنی باطنی خوبی کے سبب حکمرانی کرتا ہے اور پھر اسی بادشاہ کا جسم اپنے خیال و فکر کا تابع ہے۔ لہٰذا فضیلت معنی اور باطن کو حاصل ہے ظاہری جسم کو نہیں۔

[2] تمام کائنات اللہ تعالیٰ کے ارادے سے قائم ہے اور تمام چیزوں کی بقا اللہ کے ارادے سے وابستہ ہے جس طرح مچھلی کی زندگی کا دارومدار دریا پر ہے۔

[3] جس طرح مچھلیاں دریا کے پانی سے زندگی پاتی ہیں اسی طرح زمین و آسماں کی ہر شے بھی قدرتِ الٰہی سے زندہ اور برقرار ہے۔

[4] متعدد مثالوں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اصل خوبی باطن کی ہے نہ کہ ظاہری۔ لہٰذا جسم کو حضرت سلیمان جیسا قوی اور فکر کو چیونٹی جیسا کمزور سمجھنا حماقت ہے۔

عالم اندر چشمِ تو هولِ عظیم ۱ دہر کی ہر چیز سے ڈرتا ہے تو
ز ابر و برق و رعد داری لرز و بیم برق و باراں سے بھی تھراتا ہے تو

وز جهانِ فکرتی اے گم ز خر ۲ فکر کی بربادیوں سے اے پسر
ایمن و غافل چو سنگِ بے خبر کیوں ہے پتھر کی طرح تو بے خبر

زانکه نقشی و ز خرد بے بهرهٔ تو کہ بے عقل و گماں تصوری ہے
آدمی خو نیستی خر کرهٔ مثِ خر بے دانش و تدبیر ہے

جهلِ محضی و زخرد بیگانهٔ ۳ جہلِ کُل دانش سے بیگانہ ہے تو
تو نداری از خدا دیوانهٔ اور خدا سے دور دیوانہ ہے تو

سایه را تو شخص می بینی ز جهل ۴ تم کو سائے پر بھی ہے تن کا گماں
شخص ازاں شد نزد تو بازی و سهل اصل کی وقعت نہیں تم پہ عیاں

۱ انسان اجسام سے تو ڈرتا ہے لیکن فکر و خیال سے جو تباہیاں آسکتی ہیں ان سے بےخبر ہے۔
۲ دینی معاملات کے ذکر و فکر سے ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے جب کہ دنیاوی الجھنوں میں کھو جانے سے مسائل بڑھتے ہیں۔
۳ عقل و دانش سے بے بہرہ غور و فکر سے محروم ہوتا ہے جبکہ غور و فکر سے ہی معرفتِ حق پیدا ہوتی ہے۔
۴ تم نے غیر مقصود کو مقصود اور مقصود کو غیر مقصود بنا رکھا ہے۔

حرفِ راز

ہر کجا دردے دوا آنجا رود　　[1] درد ہو تو درد کا درماں بھی ہے
ہر کجا فقرے نوا آں جا رود　　فقر ہو تو فقر کا ساماں بھی ہے

ہر کجا پستی ست آب آنجا رود　　ہو جہاں پستی وہاں پانی گرے
ہر کجا مشکل جواب آنجا رود　　ہو کوئی مشکل تو اس کا حل ملے

آب کم جو تشنگی آور بدست　　تشنہ لب رہ چھوڑ پانی کی تلاش
تا بجو شد آبت از بالا و پست　　ہوگی خود پانی کو پھر تیری تلاش

تا سقاھم ربھم آید خطاب　　"دستِ باری سے ہوئے سیراب وہ"
تشنہ باش اللہ اعلم بالصواب　　قول حق ہے تشنہ رہ بے فکر ہو

آبِ رحمت بایدت روپست شو　　آبِ رحمت چاہیے تو پست ہو
وانگہاں خور خمرِ رحمت مست شو　　جامِ رحمت نوش کر اور مست ہو

رحمت اندر رحمت آید تا بسر　　رحمتوں پر رحمتیں حاصل کرو
بر یکے رحمت فرو ما اے پسر　　اکتفا کیوں ایک ہی رحمت پہ ہو

چرخ را در زیر پا آر اے شجاع　　[2] اے بہادر لا فلک کو زیر پا
بشنو از فوقِ فلک بانگِ سماع　　عرش سے سن عرش والے کی صدا

پنبۂ وسواس بیروں کن ز گوش　　[3] وسوسوں کی روئی کانوں سے نکال
تا بگوشت آید از گردوں خروش　　تا کہ سن پائے صدائے ذوالجلال

[1] دوا کی منزل درد ہے اور بخشش وعطا کی فقر۔ [2] زہد وتقویٰ سے وہ مقام حاصل کرو کہ آسمان کی بلندیاں ہیچ ہو جائیں اور تم صدائے ربانی سن سکو۔ [3] اپنے دل ودماغ کو شیطانی وسوسوں سے پاک کرو پھر تم اسرار الٰہی سے معرفت حاصل کر سکو گے۔

پاک کن دو چشم را از خوئے عیب   دور کر آنکھوں سے ہر اک عیب کو
تا بہ بینی باغ و سروستانِ غیب   دیکھ پاؤ گے بہارِ غیب کو

کندۂ تن را ز پائے جاں بکن   دے ۱ رہائی جاں کو تن کے بند سے
تا کند جولاں بگردِ آں چمن   تا کہ وہ اس باغ میں رقصاں رہے

ور نمی تانی بہ کعبہ لطف پر   خود نہ کر پاؤ تو کعبہ ۲ کو چلو
عرضہ کن بیچارگی بہ چارہ گر   چارہ گر سے ماجرائے دل کہو

زاری و گریہ قوی سرمایہ ایست   آہ و زاری ۳ پُر اثر پُر کار ہے
رحمت کلی قوی تر دایہ ایست   رحمت کُل سب کی پالنہار ہے

دایہ و مادر بہانہ جو بُود   ماں ۴ کو دائی کو بہانہ چاہیے
تا کہ آں طفلِ اُو گریاں شود   ہر گھڑی بچے کے رونے کے لئے

طفل حاجات شما را آفرید   رب نے پیدا کی ہیں تیری حاجتیں
تا بنالید و شود شیرش پدید   جب بھی تو رویا روا کیں حاجتیں

گفت اُدعُو اللہ بے زاری مباش   یاد کر رو کر ہے ارشادِ خدا
تابجوشد شیر ہائے مہر ہاش   تا کہ ۵ آئے جوش میں شیرِ عطا

ہائے دہوئے بادِ شیر افشانِ ابر   ابرِ رحمت ہے برسنے کو ذرا
در غم ما اندیک ساعت تو صبر   صبر کر آئے گی رحمت کی ہوا

۱ روح کو تن یعنی دنیاوی آلائشوں کے بندھن سے نجات دلاؤ تا کہ وہ آخرت کے گلزار میں خوشی خوشی محوِ خرام ہو۔

۲ یہاں کعبے سے مراد شیخِ کامل ہے یعنی کسی شیخ سے رہنمائی حاصل کرو تا کہ گمراہی سے بچ سکو۔

۳ خدا کی رحمت کو متوجہ کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ آہ و زاری ہے۔

۴ جس طرح ماں یا دائی اس لمحے کی منتظر ہوتی ہے کہ جب بچہ روئے تو وہ اسے خوراک دے اسی طرح اللہ کی رحمت بھی اس بات کی منتظر ہوتی ہے کہ انسان آہ و زاری سے اس کا کرم طلب کرے اور وہ اسے عنایتوں سے نوازے۔

۵ ارشادِ خداوندی ہے کہ آہ و زاری سے رحمتِ حق میں جوش آتا ہے۔

فی السماءِ رزقکم نشنیدۂ | رزق ہے تیرا فلک پہ جان لے
اندریں پستی چہ تر چسفیدۂ | کیوں ہو پھر پستی سے تم چمٹے ہوئے

ترس و نومیدیت آوازِ غول | خوف[1] و نومیدی کے دھوکے میں نہ آ
می کشد گوش تو تا قعر سفول | گمرہی کی گھاٹیوں سے جاں بچا

ہر ندائے کاں ترا بالا کشد | جو صدا لیجائے اوپر فرش سے
آں ندائے واں کہ از بالا رسد | وہ صدا آئی ہے بیشک عرش سے

ہر ندائے کو ترا حرص آورد | جو صدا[2] پیدا کرے حرص و ہوا
بانگ گرگے داں کہ اُومردم ذرد | وہ درندہ بھیڑیے کی ہے صدا

ایں بلندی نیست محتاج مکاں | یہ بلندی[3] کب ہے محتاج مکاں
ایں بلند یہاست سوئے عقل و جاں | یہ عروج عقل و جاں کا ہے نشاں

ہر سبب بالا تر آمد از اثر | سب سبب اپنے ثمر سے ہیں بلند
سنگ و آہن فائق آمد بہ شرر | سنگ و آہن بھی شرر سے ہیں بلند

سنگ و آہن زنجہت کہ سابق است | ہاں[4] شرر جو بعد میں پیدا ہوا
در عمل فوقی ایں دو لائق است | سنگ و آہن سے ہے خوبی میں سوا

در زماں شاخ از ثمر سابق ترست | شاخ ہے پہلے مگر اس کا ثمر
قدر ہنر از شاخ او فائق ترست | خوبیوں میں شاخ سے ہے خوب تر

[1] رزق کی کمی کا خوف شیطانی وسوسہ ہے اس میں مبتلا ہو کر رزق حلال کی جدوجہد کو ترک نہیں کرنا چاہیے قرآن پاک میں ارشاد ہے "الشیطان یعدکم الفقر" شیطان تمہیں فقر کی دھمکی دیتا ہے۔

[2] بھیڑیے سے مراد شیطان ہے۔

[3] پہلے شعر میں لفظ بالا بمعنی بلندی یا فوقیت کے استعمال کیا ہے جبکہ یہاں بلندی کی نوعیت روحانی اور عقلی اعتبار سے ہے۔

[4] اب مولانا مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں اگرچہ پتھر اور لوہے کو سبب ہونے کے اعتبار سے فوقیت حاصل ہے لیکن شرر مقصود ہونے کے باعث سبب پر فوقیت کا حامل ہوتا ہے۔

مومن کی دُعا کی قبولیت میں تاخیر کا سبب

اے بسا مخلص کہ نالد در دُعا　　جب بھی کی مخلص نے رو رو کر دُعا
دودِ اخلاصش برآید تا سما　　تا فلک پہنچا دھواں اخلاص کا

تا زِ دودِ بالائے ایں سقف بریں　　جب پہنچتا ہے زمین سے عرش پر
بوئے مجرِ ازنینِ المذنبین　　پُر خطا کی آہ و زاری کا اثر

پس ملائک با خدا نالند راز　　رو کے کہتے ہیں فرشتے اے خدا
کاے مجیب ہر دعا و مستجار　　تو کہ ہے ایک کا حاجت روا

بندہ مومن تضرع می کند　　ملتجی ہے بندہ مومن ترا
اُو نمی داند بجز تو مستند　　ہے اُسے تو بس ترا ہی آسرا

تو عطا بیگانگاں رامی دہی　　تو کہ ہے اغیار پر بھی مہرباں
از تو دارد آرزو ہر مشتہی　　منتظر تیرے کرم کا سب جہاں

حق بفرماید نہ از خواری اُوست　　حق ۱ نے فرمایا نہیں اس کی خطا
عین تاخیر عطا یاری اُوست　　ہے مدد اُس کی یہ تاخیرِ عطا

نالہ مومن ہمیداریم دوست　　ہے مجھے مومن کا یہ رونا ۲ پسند
گو تضرع کن کہ ایں اعزاز اُوست　　ہاں کہو روئے کہ ہو گا سربلند

۱ رب رؤف ورحیم فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اس بندے کی دعا کی قبولیت میں تاخیر اس کی خطاؤں کے باعث نہیں بلکہ یہ تاخیر اس کی بہتری اور بھلائی کے لیے ہے۔

۲ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے بندۂ مومن کا رونا اور آہ وزاری کرنا پسند ہے اُسے کہو کہ وہ اپنی فریاد اور گریہ وزاری جاری رکھے اُسی سے اُسے سربلندی حاصل ہوگی۔

حاجت آوردش ز غفلت سوئے من   دکھ ملا تو مجھ سے غفلت ترک کی
آں کشیدش موکشاں در کوئے من   کھینچ لایا دُکھ اُسے میری گلی

گر بہ آرم حاجتش اُو وا زود   گر کروں لے حاجت روا تو دیکھنا
ہمدراں بازیچہ مستغرق شود   پھر اُنہیں کھیلوں میں وہ کھو جائے گا

گرچہ می نالد بجاں یا مستجار   دل شکستہ سینہ خستہ سوگوار
دل شکستہ، سینہ خستہ، سوگوار   دل سے جب رو کر کہے یا مستجار

خوش ہمی آید مرا آوازِ اُو   ہاں بھلی لگتی ہے اس کی یہ ندا
واں خدایا گفتن و آں رازِ اُو   جب بھی وہ کہتا ہے دل سے یا خدا

1 اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر میں فوراً ہی اس کی دعا قبول کرکے اس کی حاجت روائی کردوں تو وہ پھر دنیاوی معاملات میں کھو جائے گا۔ جب کہ دعا کی قبولیت میں تاخیر میرے حضور عجز وانکسار سے محو التماس رہے گا اور مجھ سے اس کا رابطہ استوار رہے گا۔

عجز وانکسار

من کہ باشم کہ بگویم عفو کن　　میں بھلا کیا ہوں کہ کہدوں بخش دو
اے تو سلطان و خلاصہ "امر کن"　　تم ہو مالک تم ہی کُن کی جان ہو

من کہ باشم کہ بومن ما منت　　میری ہستی کیا ہے تیرے سامنے
اے گرفتہ جملہ منہا دامنت　　ہیں سبھی وابستہ دامن سے ترے

صدر ہزاراں صفع را ارزانیم　　میں ۱؎ سزا وارِ سزا ہوں گر مجھے
گر زبونِ صفعہا گردانیم　　تو سزاؤں کے بھی لائق جان لے

من کیم تا پیشت اعلامے کنم　　میں ہوں کیا جو کچھ کہوں اے محترم
یا کہ ویادت دہم شرطِ کرم　　یاد دلواؤں تجھے شرطِ کرم

اے تو پاک و جہل و علت پاک ازاں　　پاک ۲؎ ہے تو اور تیرا علم بھی
کہ فراموشی کند ویرانہاں　　بھول سے وہ چھپ نہیں سکتا کبھی

ہیچکس را تو کسے انگاشتی　　ہیچ تھا میں تو نے اعلیٰ کر دیا
ہمچو خورشیدش بہ نور افراشتی　　اور سورج کی طرح روشن کیا

چوں کسم کردی اگر لابہ کنم　　ہیچ سے اعلیٰ کیا تو اے خدا
مستمع شو لابۂ اُم را از کرم　　التجا ہے رحم کر سن التجا

زانکہ از نقشم چو بیروں بُردۂ　　میری ہستی سے مجھے بالا کیا
آں شفاعت ہم تو خود را کردۂ　　تو نے ۳؎ یہ کرنے کو خود سے خود کہا

۱؎ میں اپنے اعمال کے سبب سزا کا مستحق ہوں، ہاں اگر تو مجھے سزا کے قابل بھی سمجھے۔
۲؎ تیری ذات جہل سے پاک ہے اور تیرا علم بھی، اس لیے کوئی بھول کسی چیز کو تجھ سے چھپا نہیں سکتی۔
۳؎ تیرے کرم سے میں اب میں نہیں رہا لہٰذا یہ کرم بھی تو نے خود ہی کیا۔

ہم دعا از من رواں کر دی چو آب   کی دُعا لب پہ رواں مانند آب
ہم ثباتش بخش و گرداں مستجاب   اَب سدا جاری رہے ہو مستجاب

ہم تو بودی اوّل آرندہ دُعا   کی[1] عطا تو نے ہی توفیق دُعا
ہم تو باش آخرا جابت را رجا   تو ہی بن اس کی اجابت کی رجا

درد بودم سر بسر من خود پسند   خود نگر[2] تھا میں سراسر درد تھا
کرد شاہم داروئے ہر درد مند   ہر دکھی کا شہ نے درماں کر دیا

دوزخے بودم پُر از شور و شرے   میں کہ اک دوزخ تھا شر و شور کا
کرد دستِ فضل اویم کوثرے   اُس کے دستِ فیض سے کوثر ہوا

ہست دوزخ ہمچو سرمائے جہاں   کیا ہے دوزخ جیسے جاڑوں کی خزاں
ہست کوثر چوں بہار و گلستاں   کیا ہے کوثر فصلِ گل اور گلستاں

ہست دوزخ ہمچو مرگ و چوں فنا   کیا ہے دوزخ جیسے ہو مرگ و فنا
ہست کوثر نفخ صور از کبریا   کیا ہے کوثر رحمتِ حق کی صدا

اے ز دوزخ سوختہ اجسامِ تاں   نارِ دوزخ کے جلوں کو دمبدم
سوئے کوثر میکشد اکرامِ تاں   سوئے کوثر ہے کشاں تیرا کرم

چوں خلقتُ الخلق کے یربح عَلَی   ”خلق[3] کو پیدا کیا بہرِ کرم“
لطف تو فرمودائے قیوم وَحَی   تو نے فرمایا ہے ربّ محتشم

لالِاَن اَربَحَ علیہم جودِ تست   ”میں نہیں محتاج ان کے لطف کا“
کہ شود زو جملہ ناقصہا درست   رحم فرما قول ہے یہ بھی ترا

[1] اے خدا تو نے ہی مجھے اپنے حضور دعا کرنے کی توفیق بخشی ہے اب تو ہی اس کی قبولیت کی اُمید بن۔ [2] اللہ کے کرم نے درد کو درماں اور دوزخ کو کوثر بنا دیا۔ [3] حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے مخلوق اس لیے پیدا کی ہے کہ وہ مجھ سے فائدہ اٹھائے نہ کہ اس لیے کہ میں اس سے فائدہ اٹھاؤں۔

عفو کن ایں ناقصانِ تن پرست   تن پرستوں ناقصوں کو بخش دے
عفو از دریائے عفو اولیٰ ترست   بخشا ہی بحرِ بخشش کو سجے

گرچہ بشکستند جامت قوم مست   گرچہ[1] توڑے جام قوم مست نے
آنکہ مست از تو بود عذریش ہست   لائق بخشش ہیں مستانے ترے

اے شہنشہ مستِ تخصیص تواَند   مست ہیں وہ تیرے لطف خاص سے
عفو کن از مستِ خود اے عفومند   تو ہے بخشہار اُن کو بخش دے

چونکہ مستم کردۂ حدّم مزن   خود[2] کیا ہے مست پھر کیسی سزا
شرع مستاں را نیارد حد زدن   نشے میں شرعاً سزا ہے ناروا

چوں شوم ہشیار آنگاہم بزن   ہوش[3] آ جائے تو پھر دینا سزا
کہ نخواہم گشت خود ہشیار من   ہوش میں خود ہی نہ ہرگز آؤں گا

ہر کہ ازجام تو خورد اے ذُوالمِنَن   جس نے تیرے خُم سے پی بندہ نواز
تا ابد رست ازہُش و از حد زدن   ہو گیا ہوش و سزا سے بے نیاز

خالدین فی فناءِ سکرہم   اپنے نشے میں سدا وہ مست ہیں
مَن یَفنٰی فی ہواکُم لم یقُم   مٹ کے تیرے عشق میں جو مست ہیں

کوہہا چوں ذرّہ ہاسر مست تو   کوہ اور ذرّے سے سبھی تجھ پہ نثار
نقطہ و پرکار و خط در دستِ تو   ساری دنیا پہ ہے تجھ کو اختیار

از تقاضائے تو می گردد سرم   تیری[4] رحمت سے ثنا خواں ہوں ترا
اے بمردہ من بہ پیشِ آں کرم   اِس کرم پہ جاں سے شیدا ہوں ترا

[1] اگرچہ انسانوں نے حق تعالیٰ کے عطا کردہ انعامات سے استفادہ نہیں کیا لیکن چونکہ وہ اس کی عنایات سے مست ہیں اس لیے بخشش کے مستحق ہیں۔ [2] جب تو نے خود ہی مست کیا ہے تو پھر مستی کی سزا کسی از روئے شریعت بھی مستی کی حالت میں سزا نہیں دی جا سکتی۔
[3] میں جب ہوش میں آ جاؤں تو پھر سزا دینا لیکن اے پروردگار میں خود بھی ہوش میں نہیں آ ؤں گا، اس لیے کہ عشقِ حقیقی کی مستی ابدی ہوتی ہے۔ [4] میں جو تیری ثناخوانی کرتا ہوں، یہ بھی تیری ہی مہربانی کا نتیجہ ہے۔

رغبتِ ما از تقاضائے تو است　　میری یہ رغبت بھی ہے تیری عطا
جذبہ حق ست ہر جا رہروست　　جذبہ حق ہے سبھی کا رہنما

خاک بے بادے بپالا کے جہد　　خاک لے اُڑتی ہے ہوا کے دوش پہ
کشتی بے بحر پا در رہ نہد؟　　آب دریا سے ہے کشتی کا سفر

زاب حیواں ہست ہر جاں را نوی　　آب حیواں زندگی بخشے مگر
لیک آب آب حیوانی توئی　　ہے تجھی سے آب حیواں میں اثر

ہر دمے مرگے و حشرے دادیم　　زندگی اور موت بخشی دمبدم
تاپدیدم دستبردِ آں کرم　　ہر طرف غالب رہا تیرا کرم

1 غبار ہوا کے سہارے اُڑتا ہے، کشتی دریا کی موجوں کے سہارے چلتی ہے، اسی طرح ہمارا ہر کام بھی تیرے ہی سہارے سے ہوتا ہے۔

اعمال نیک

لا بد من قرین یدفن معک وھو حی وتدفن معہ وانت میت وان کان کریماً اکرمک وتدفن معہ وان کان کریماً اکرمک وان کان لیما اسلمد وذالک القرین عملک فاصلحہ ما ستطعت

آنحضورؐ کے قول کی تفسیر کہ "ایک ساتھی ضروری ہے جو تیرے ساتھ زندہ دفن ہوگا اور تو مردہ اس کے ساتھ دفن ہوگا تو اگر وہ شریف ہے تو تیری عزت کرے گا اور اگر کیمہ ہے تو تجھے چھوڑ بھاگے گا اور یہ ساتھی تیرا عمل ہے پس جس قدر ممکن ہو تو اس کی اصلاح کر۔

پس پیمبر گفت بہر ایں طریق   ہے یہ فرمان نبیؐ سن غور کر
با وفا تر از عمل نبود رفیق   ہیں عمل اچھے ہی اچھے ہمسفر

گر بود نیکو ابد یارت شود   گر وہ اچھے ہیں تو ہونگے یارِ غار
ور بود بد در لحد مارت شود   اور بُرے ہوں تو لحد میں جیسے مار

ایں عمل ویں کسب در راہِ سداد   یہ عمل یہ نیکیاں یہ کار خیر
کے تواں کرد اے پدر بے اوستاد   کون پا سکتا ہے رہبر کے بغیر

دوں تریں کسے کہ در عالم رَوَد   کمترین پیشہ بھی دنیا میں بتا
ہیچ بے ارشادِ استادے بُوَد   کسی نے بے استاد سیکھا ہے بھلا

اوّلش علم ست وانگاہے عمل   علم حاصل کر عمل کے واسطے
تا دہد بَر بعدِ مہلت تا اَجل   پاسکو گے پھل ہمیشہ کے لیے

اِسْتَعِیْنُو فِی الْحِرَفِ یَاذَا النُّھٰی   اُس سے پیشے میں مدد حاصل کرو
مِنْ کَرِیْمًا صَالِحٍ مِنْ اَھْلِھَا   نیک ہو اچھا ہو اور جو اہل ہو

اُطْلُبْ اَلدُرَ اَخِی وَسَطَ الصَّدَفْ   سیپ میں ڈھونڈو گہرائے ہم نسب
وَاطْلُبِ الْفَنَ مِنَ اَرْبَابِ الْحِرَ   اور کرو پیشہ وروں سے فن طلب

اِنْ رَاَیْتُم نَاصِحِیْنَ اَنْصِفُوْ   غور سے ناصح کی باتوں کو سنو
بَادِرُوْ اَلتَّعْلِیْم لَا تَسْتَنْکِفُوْ   علم کو ڈھونڈو تکبر مت کرو

در وباغی گر خلق پوشید مَرد   رنگ والے کا لباس کمتریں
خواجگی خواجہ را آں کم نہ کرد   اُس کی حیثیت کو کم کرتا نہیں

وقت دم آہنگرا رپوشید دلق   کام پہ لوہار ہو گدڑی میں بھی
احترامِ اُوشد کم پیش خلق   اُس کی عزت گھٹ نہیں سکتی کبھی

پس لباس کبر بیروں کن ز تن   دور کرتن سے یہ نخوت کا لباس
ملبسِ ذُل پوش در آموختن   سیکھنے میں اوڑھ ذلت کا لباس

فقر خواہی آں بصحبت قائم ست   فقر والے دیں گے دولت فقر کی
نے زبانت کار می آید نہ دست   زورِ بازو سے نہیں ملتی کبھی

دانش انوارست در جانِ رجال   علم حق [1] تو اولیاء کے دل میں ہے
نے ز راہ دفتر و نے قیل و قال   یہ نہیں ملتا کتاب و درس سے

دانش آنرا ستاند جاں ز جاں   دل سے دل کو منتقل ہوتا ہے یہ
نے زراہِ دفترو نے از زباں   کب کتاب و وعظ سے ملتا ہے یہ

در دلِ سالک اگر ہست آں رموز   راز ہیں سالک کے دل میں جس قدر
رمزدانی نیست سالک راہنوز   ہے وہ اُن رازوں سے اب تک بے خبر

[1] انوارِ خداوندی کا علم اولیاء کے دلوں میں محفوظ ہے اور اسے ان سے دلی وابستگی کے ذریعے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ محض زبان اور کتابوں سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

تا دلش را شرح آں سازد ضیا　　نورِ حق[1] سے جب وہ پائے گا جلا
پس اَلَم نَشرح بفرمائید خدا　　پھر اَلَم نَشرح کی آئے گی صدا

کہ درونِ سینہ شرحت دادہ ایم　　کی عطا تفسیرانِ اسرار کی
شرح اندر سینہ ات بنہادہ ایم　　کی عطا سینے کو تیرے روشنی

تو ہنوز از خارج آں را طالبی　　پھر بھی[2] باہر سے طلب کرتا ہے تو
محلبی از دیگراں چوں حالبی　　دودھ ہے تو دودھ کیوں دوھتا ہے تو

چشمہ شیرست در تو بے کنار　　تیرے اندر دودھ ہے بے انتہا
تو چرا می شیر جوئی از تقار　　پھر گڑھے میں دودھ کیوں ہے ڈھونڈتا

منفذے داری بہ بحر اے آبگیر　　جب سمندر تک رسائی ہے تیری
ننگ دار از آب جستن از غدیر　　حوض سے پانی کا لینا بے حسی

کہ اَلَم نَشرح نہ شرحت ہست باز　　کر دیا ہر راز سے جب آشنا
چوں شدی تو شرح جوی وکدیہ ساز　　ہر طرف پھر ڈھونڈتا پھرتا ہے کیا

در نگر در شرح دل در اندروں　　راز[3] دل کی جستجو دل میں کرو
تانیاید طعنہ لا تُبصِرُوں　　"وہ ہیں نابینا" کا طعنہ کیوں سنو

[1] جب سالک کے لیے نورِ حق اندرونی ان اشاروں کی تشریح کر دیتا ہے تو اللہ کی جانب سے الم نشرح کی بشارت ملتی ہے قرآن حکیم میں آنحضورؐ سے فرمایا گیا ہے کہ "کیا ہم نے تمہارا شرح صدر نہیں کر دیا" یعنی تمہیں وہ نور عنایت نہیں کر دیا جس سے تم رموز ازلی کو سمجھ سکو۔
[2] حق تعالیٰ نے انسان کے دل کو اسرار و علوم سے مالا مال کیا ہے پھر باہر سے ان کا طلب کرنا بے معنی ہے۔
[3] انسان کا دل ایک جامع حقیقت ہے اس میں ذات و صفات خداوندی کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے جو مشاہدہ نہیں کر سکتا وہ کفار کی طرح اندھا ہے۔

طلب

گفت آں درویش اے دانائے راز | یوں کہا درویش نے اے راز داں
از پے ایں گنج کر دم یاوہ تاز | تھا خزانہ کا تجسس رائیگاں

من ز دیگ لقمہ نندوختم | دیگ[1] سے کچھ بھی نہ حاصل کر سکا
کف سیاہ کر دم وہاں را سوختم | آستیں کالی ہوئی منہ جل گیا

قول حق را ہم ز حق تفسیر جو | حق[2] سے پوچھو قول حق کا راز بھی
ہیں مخاژ اژ از گماں اے یاوہ گو | چھوڑ دو سب بدگمانی اے غبی

آں گرہ کو زو ہموبکشایدش | جو لگاتا ہے گرہ کھولے گا وہ
مہرہ کو انداخت اُو بہ بایدش | مہرہ رکھا ہے تو سرکائے گا وہ

گرچہ آسانت نمود ایں ساں سخن | گو نظر آتا ہے آساں یہ بیاں
کے بود آساں رموِ من لدن | ہے[3] لدن کا راز مشکل اور گراں

گفت یا رب توبہ کر دم زیں شتاب | جلد[4] بازی سے ہوں تائب رب مرے
چوں تو در بستی تو کن ہم فتحیاب | خود کیا ہے بندہ جو در کھول دے

بہ سرِ حرفہ شد بارِ دگر | جہد نو اور جستجو کرنی پڑی
در دعا کردن بدم من بے ہنر | بے[5] ہنر تھا میں دعا کرنے میں بھی

[1] یعنی خزانے کی تلاش سے تکلیف اور مایوسی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔

[2] قرآن خود اپنی تفسیر ہے۔ اسی سے رشد و ہدایت حاصل کرو۔

[3] اگرچہ قرآن حکیم آسان بھی ہے لیکن اس کے اسرار و رموز کو سمجھنے کے لیے گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے۔

[4] یہاں سے مولانا پھر درویش کا بیان شروع کرتے ہیں اس سے پہلے تین اشعار میں وہ دست قدرت کی کارفرمائی کا ذکر فرماتے ہیں۔

[5] میں نے خزانہ حاصل کرنے کے لیے دعا کی لیکن میرا انداز ناقص تھا اس لیے میری دعا قبول نہ ہوئی اور مجھے دوبارہ محنت کرنا پڑی۔

کو ہنر، کو من ، کجاول مستوی   میں کہاں کیسا ہنر کیسا قرار
ایں ہمہ عکس تو ہست و خود توئی   تو [1] ہے خود اور عکس تیرا کردگار

ہر شبے تدبیر و فرہنگم بخواب   عقل ہو گم [2] نیند میں کچھ اس طرح
ہمچو کشتی غرقہ می گردد در آب   غرق ہو پانی میں کشتی جس طرح

خود نہ من می مانم ونے آں ہنر   میں بھی گم میرا ہنر بھی بے اثر
تن چومروارے فتادہ بے خبر   جسم ہے مردے کی صورت بے خبر

تاسحر جملہ شب آں شاہِ عُلا   رات بھرتا صبحدم شاہِ عُلا
خود ہمی گوید الست وہم بلیٰ   خود ہی کہتا ہے الست و خود بلیٰ

کو بلیٰ گوا جملہ را سیلاب بُرد   جو بلیٰ کہتے تھے کیا سیل بلا
یا نہنگے کرد کل را خُرد مُرد   لے گیا اُن کو مگرمچھ کھا گیا

صبحدم چوں تیغ گوہر دارِ خود   جب سحر کھینچے ہے تیغ آب دار
از نیاز ظلمت شب بہ کشد   شب کی تاریکی کو کر کے تار تار

ہر یکے گوید بہ ہنگام سحر   ہر کسی کے لب پہ ہوتا ہے رواں
چوں ز بطن حوت شب آید بدر   جب وہ بطن شب سے ہوتا ہے عیاں

کاے کریمے کا ندراں لیل و حش   شب کہ پُر وحشت تھی تو نے مہرباں
گنج رحمت بہی و چندیں چشش   اپنی قدرت سے کیا راحت فشاں

چشم تیز و گوش تازہ تن سُبک   چشم و گوش و تن سبھی تازہ ہوئے
از شب ہمچوں نہنگ ذوالحبک   کالی کالی زلف والی رات سے

1 لیکن ایسے حضرات کومایوس نہیں ہونا چاہیے۔ذات باری سے انہیں بھی رہنمائی حاصل ہوگی۔

2 ہم جب معدوم تھے تو اُسی کے کرم سے وجود میں آئے۔اگرچہ ہم میں اس کا کوئی استحقاق نہ تھا۔خدائے بزرگ و برتر کا دست کرم مستحق اور غیر مستحق سب کو عطا کرتا ہے۔

از مقامات وحش روزیں سپاس   پھر لے ١ بھلا ہم پُر خطر حالات سے
پچ نگریزم ماچوں تو کس   ڈر کے بھاگیں کیوں تیرے ہوتے ہوئے

موسیٰ آں را نار دید و نور بُود   جس ۲ کو موسیٰ آگ سمجھا تھا وہ نُور
زنگی دیدیم شب را حُور بود   شب کو ہم سمجھے تھے حبشی تھی وہ حور

مانمی خواہیم غیر از دیدۂ   آنکھ ۳ مل جائے تو پھر کیا چاہیے
دیدۂ تیزے کشے بگرِیدۂ   اے خدا بس چشم بینا چاہیے

بعد ازیں ما دیدہ خواہیم از تو بس   تجھ سے ہے بس چشم بینا کی طلب
تا نبوشد بحر راخاشاک و خس   کچھ بھی پوشیدہ نہ ہو اے میرے رب

چشم بند خلق جز اسباب نیست   کھو گئی ۴ اسباب میں سب کی نظر
ہر کہ لرزو برسبب ز اصحاب نیست   اہل دنیا میں نہیں اہلِ بصر

لیک حق اصحاب وانا اصحاب را   حق ۵ نے نیک و بد سبھی پر ہیں رکھے
درکشا دو بُرد تا صدرِ سَرا   منزل رحمت کے دروازے کھلے

با کفش نا مستحق و مستحق   مستحق تھے یا نہ تھے وہ پاک ذات
معتقان رحمت انداز بند رِق   سب کو دیتی ہے غلامی سے نجات

در عدم ما مستحقان کے بُدیم   مستحق کب ۶ تھے عدم میں ہم مگر
کہ بریں جان و بریں دانش زدیم   تو نے بخشے جان و دل عقل وہ نر

١ رات پُرخطر ہونے کے ساتھ ساتھ بے شمار نعمتوں سے بھی مالا مال ہے۔ہم رات کے وقت عباداتِ الٰہیہ کے ذریعے ذاتِ خداوندی کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔

۲ جس طرح موسیٰ نے جسے آگ سمجھا وہ نور تھا، ہم نے رات کو ڈراؤنا جانا وہ رحمتوں کی حامل ہے۔ ۳ سب سے بڑی نعمت چشم بینا ہے اور ہمیں اسی نعمت کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ ۴ ہماری آنکھیں دنیاوی اسباب کو ہی دیکھتی ہیں حالانکہ صحیح آنکھیں وہ ہیں جو مسبب الاسباب کو دیکھیں۔ ۵ لیکن ایسے حضرات کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ذاتِ باری سے انہیں بھی رہنمائی حاصل ہوگی۔

٦ ہم جب معدوم تھے تو اُسی کے کرم سے وجود میں آئے۔اگرچہ ہم میں اس کا کوئی استحقاق نہ تھا۔خدائے بزرگ و برتر کا دستِ کرم مستحق اور غیر مستحق سب کو عطا کرتا ہے۔

اے بکردہ یار ہر اغیار را — تو کہ اپناتا ہے جو غیروں کو بھی
وے بدا وہ خلقت گل خار را — گل بنا دیتا ہے جو کانٹوں کو بھی

خاک مارا ثانیا پالیزکن — میری مٹی کو بھی پھر شاداب کر
ہیچ نے را با دیگر چیز کن — بندہ ناچیز کو نایاب کر

ایں دعا تو امرکردی ز ابتدے — ہے یہ توفیق دعا تیری عطا
ورنہ خاکے راچہ زہرہ ایں بُدے — ورنہ خاکی کو کہاں یہ حوصلہ

چوں دعا تو امرکردی اے عجاب — جب دیا [1] اذنِ دعا تو اے خدا
ایں دعائے خویش را کن مستجاب — مستجب فرما کہ ہے تیری دعا

دیدہ را نادیدہ خود انگاشتم — میں [2] نے جو پایا وہ سب کچھ کھو دیا
باز زنبیل دعا بداشتم — پھر سے پھیلایا ہے دامانِ دعا

چوں الف چیزے ندارم اے کریم — بے سرو ساماں ہوں میں اے مہرباں
جز دلے دل تنگ ترا زچشم میم — ایک دل ہے وہ بھی بیحد تنگ جاں

در زمانِ بیخودی خود ہیچ من — بیخودی میں خود کو کھو دیتا ہوں میں
در زمانِ ہوش اندر ہیچ من — ہوش میں دنیا کا ہو جاتا ہوں میں

ہیچ چیزے بہ چنیں ہیچی منہ — اور مجھ نا چیز کو مت آزما
نامِ دولت بہ چنیں گیجی منہ — بے نظر کو راہ سے کیا واسطہ

خود ندارم ہیچ بہ سازو مرا — ہیچ ہوں اچھا بناتا ہے وہی
کہ ز وہم ست ایں کہ دارم صدعنا — وہم [3] سے پیدا ہوئے ہیں غم سبھی

[1] جب اے خدا تو نے دعا کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے تو ہماری یہ دعا تیری ہی دعا ہے اب اسے قبول فرما۔
[2] اب مولانا فقیر کی زبانی اس قادرِ مطلق کے آگے دستِ دعا پھیلاتے ہیں جس کے دستِ قدرت میں ہمارا سب کچھ ہے۔
[3] انسان اپنے کچھ ہونے کے وہم سے نت نئی مشکلات کا شکار رہتا ہے۔

ورندارم ہم تو دارائیم گن   کچھ نہیں میں تو ہی بن سب کچھ مرا
رنج دیدم راحت افزائیم گن   غمزدہ ہوں کر دے راحت آشنا

ہم در آب دیدہ عریاں نیستم   اب[1] مری آنکھوں میں آنسو بھی نہیں
بہ دری تو چونکہ دیدہ نیستم   در پہ آیاں ہوں کہ آنکھیں ہی نہیں

زاب دیدہ بندہ بے دیدہ را   ہوں عطا آنسو کہ گلزارِ عمل
سبزہ بخشش و نباتے زیں چرا   خوب ہو سرسبز اور دے پھول پھل

ور نماند آب آبم وہ زعین   گر[2] نہیں آنسو تو آنسو کر عطا
ہمچو عینین نبیؐ ہطالتین   جیسے تھیں پر آب چشم مصطفٰیؐ

اُوچو آب دیدہ جست از جودِ حق   بخشش[3] حق سے کیے آنسو طلب
با چناں اجلال و اقبال و سبق   گرچہ تھے وہ خوش مقام و خوش نسب

چوں چناں چشم اشک را مفتوں بُود   ایسی آنکھوں کو ہو گر اشکوں کا غم
اشک من باید کہ صد جیحوں بُود   مجھ کو ہیں اشکوں کے سو جیحوں[4] بھی کم

قطرہ زاں زیں دو صد جیحوں بہ است   اُن کے[5] اِک آنسو پہ قرباں سو فراط
کہ بداں ایک قطرہ جن و انس رست   جس نے انس و جن کو دلوائی نجات

[1] اب میرے پاس دعا کرنے کے لیے آنسو ہی نہیں، آنسو کہاں سے آئیں جب میری آنکھیں دنیاوی چکا چوند سے اندھی ہو گئی ہیں اس لیے مجھے آنکھیں اور آنسو عطا کر۔

[2] میری آنکھوں میں آنسو نہیں، آنسو عطا کر جس طرح تو نے آنحضورؐ کی آنکھوں کو عطا کیے تھے۔

[3] آنحضورؐ نے اپنی تمام بزرگی اور فضیلت کے باوجود بارگاہ خداوندی سے رونے والی آنکھیں طلب فرمائیں۔

[4] اگر آنحضورؐ بخشش کی طلب کیلئے حق تعالیٰ سے آنسوؤں کی درخواست کرتے ہیں تو پھر ہمیں تو بخشش خداوندی کے لیے سیحوں (دریا جو عراق میں ہے) کی ضرورت ہوگی۔

[5] آنحضورؐ کے ایک آنسو پر سینکڑوں دریا نثار اس لیے کہ آپ نے پُرنم آنکھوں سے بارگاہ ایزدی میں انس و جن کے لیے بخشش کی دعا مانگی اور ان کی نجات حاصل کی۔

چونکہ باراں جُست آں روضہ بہشت   ہے[1] جب اُس جنّت کو باراں کی طلب
چوں نجوید آب، شورہ خاک زشت   کیوں نہ بنجر کو ہو باراں کی طلب

اے اخی دست از دعا کردن مدار   تو سدا پھیلائے رکھ دستِ دُعا
با اجابت یار دے اُو بت چہ کار   وہ دعا مانے نہ مانے تجھ کو کیا

[1] جب آنحضورؐ کو آنسوؤں کی طلب ہے تو پھر ہم جیسے خطا کاروں کو تو بہت زیادہ ضرورت ہے۔

حدیث

الصلیق طمانیة والکذب ریبة کی تشریح

(سچ اطمینان ہے اور جھوٹ شک ہے)

دل بیارامد بگفتارِ صواب   حرفِ حق سے دل کو آتا ہے قرار
آنچناں کہ تشنہ آرامد ز آب   تشنہ لب پانی سے پاتا ہے قرار

جز دل محجوب کورا علتیست   بے خبر کافر کے دل کو کیا پتہ
از نبی اَش تا غبی تمیز نیست   ہے نبی میں اور غبی میں فرق کیا

ورنہ آں پیغام کز موضع بُود   جو دلِ صادق سے آتا ہے پیام
برزند برمہ شگافیدہ شود   شق کر لے دیتا ہے وہ ماہِ تمام[1]

یک سخن از دوزخ آید سوئے لب   اک[2] صدا دوزخ سے لب پر آئے ہے
یک سخن از شہر جاں در کوئے لب   اک صدا جاں سے لبوں تک جائے ہے

بحرِ جاں افز و بحرِ عمر کاہ   جاں فزا یا جاں شکن ہر بات کا
ہر دو آں بر لب گذر دارند و راہ   لب ہی دونوں کیلئے ہیں راستہ

چوں نیپلو درمیانِ شہرہا   جس طرح شہروں میں ہے منڈی کا حال
از نواحی آمد آنجا بہرہا   چاروں جانب سے جہاں آتا ہے مال

کالۂ معیوب و قلب کیسہ بُر   مال کچھ نقصان دہ اور عیب دار
کالۂ پر سود و مستشرق چو دُر   اور کچھ ہے نفع بخش و تابدار

زیں نیپلو ہر کہ باز گاں تر ست   ہے یہاں اچھا وہ تاجر اے عزیز
بر سرہ و برقلبہا دیدہ ور ست   جو کھرے کھوٹے میں کرتا ہے تمیز

1. مولانا معجزہ شق القمر کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انبیاء کے کلام کی تاثیر سے تو چاند بھی دو ٹکڑے ہوجاتا ہے۔
2. جو آواز نفس سے ملحق ہے وہ دوزخ کی آواز ہے اور جو صدا روح سے ملحق ہے وہ پاکیزہ اور جنت کی صدا ہے۔

شد نیلو مرڈ را دارالرباح — خوش نظر کے واسطے ہے نفع گر

واں دگر را از عمی دارالجناح — کم نظر کے واسطے ہے پُر ضرر

ہر یکے ز اجزائے عالم یک بیک — اس جہاں[1] کا ذرّہ ذرّہ بے گماں

ہر غبی بندست و ہر اُستاد فک — ہے غبی پہ بند عالم پہ عیاں

ہر یکے قندست و ہر دیگر چو زہر — ہے کہیں شکر کہیں پہ زہر ہے

ہر یکے لطف ست و ہر دیگر چو قہر — ہے کہیں رحمت کہیں پہ قہر ہے

ہر یکے دیوست و ہر دیگر چو حُور — ہے کہیں شیطاں کہیں پہ حُور ہے

ہر یکے نار ست و ہر دیگر چو نور — ہے کہیں شعلہ کہیں پہ نُور ہے

ہر یکے گنج ست و ہر دیگر چو مار — ہے کہیں دولت کہیں پہ مار ہے

ہر یکے وَر دُست و ہر دیگر چو خار — ہے کہیں غنچہ کہیں پہ خار ہے

ہر یکے شیریں و ہر دیگر تُرش — ہے کہیں میٹھا کہیں پہ تُرش ہے

ہر یکے مبہوت و ہر دیگر چو ہش — ہے کہیں بیخود کہیں پہ ہوش ہے

ہر یکے پنہاں و ہر دیگر عیاں — ہے کہیں ظاہر کہیں پہ ہے نہاں

ہر یکے سو دست و ہر دیگر زیاں — ہے کہیں نفع کہیں پہ ہے زیاں

ہر یکے قیدست و ہر دیگر کشاد — ہے کہیں بے حد کہیں محدود ہے

ہر یکے قیدست و ہر دیگر مُراد — ہے کہیں بیڑی کہیں مقصود ہے

ہر یکے نوش ست و ہر دیگر چو نیش — ہے کہیں شربت کہیں پہ ڈنگ ہے

ہر یکے بیگانہ ہر دیگر چو خویش — ہے کہیں غیر اور کہیں خود رنگ ہے

[1] یہ صورت حال صرف منڈی میں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں رونما ہے جہاں حالات اور اسباب کسی کے لیے مفید اور کسی کے لیے مضر ثابت ہوتے ہیں۔ آئندہ اشعار میں مولانا مختلف اسباب کا مختلف افراد کے لیے مختلف اور متضاد اثرات کا ذکر کرتے ہیں۔

بہ یکے نقص ست و بہ دیگر کمال　　ہے کہیں ناقص کہیں پہ ہے کمال
بہ یکے ہجر ست بہ دیگر وصال　　ہے کہیں فرقت کہیں پہ ہے وصال

ہر جمادے با نبی افسانہ گو　　ہے نبی[1] سے ذرہ ذرہ ہمکلام
کعبہ با حاجی گواہ و نُطق جو　　جیسے حاجی سے ہے کعبہ ہمکلام

بہ مُصلّی مسجد آمد ہم گواہ　　جیسے[2] مسجد ہے نمازی کی گواہ
کو ہمی آمد بمن از دور راہ　　"میرے ہاں آتا ہے یہ طے کر کے راہ"

بہ خلیل آتش بود ریحان و ورد　　آگ ابراہیم سے ہے باغ تر
لیک بہ نمرود آں مرگ ست و دَرد　　لیک مرگ و درد ہے نمرود پَر

بارہا گفتیم ایں را اے حَسَن　　بارہا[3] میں نے دیا ہے یہ پیام
می نگردم از بیانش سیر من　　اور دہراتا رہوں گا صبح و شام

بارہا خوردی توناں دفعِ ذبول　　بھوک میں کھاتے ہو روٹی بار بار
ایں ہما نان ست چوں نبوی ملول　　کیوں نہیں ہوتے تم اس سے دلفگار

در تو جوعے میرسد نو ز اعتدال　　ختم ہو کر بھوک پھر تازہ ہوئی
کہ ہمی سوزد ازو تخمہ و ملال　　غم مٹا کوئی نہ بیماری رہی

لذت از جوعست نے از نُقلِ نو　　بھوک میں ہر شے ہے لذت آفریں
با مجاعت از شکر بہ نانِ جو　　خوب تر شکر سے ہے نانِ جویں

1　آنحضورؐ کو پتھر بھی سلام کرتے تھے۔ جس طرح خانہ کعبہ کے پتھر مومنوں کے لیے طواف کعبہ کی گواہی دیں گے۔

2　روزِ محشر مسجد اور مسجد جانے والی راہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ فلاں شخص گھر سے نماز ادا کرنے آتا تھا۔

3　مولانا فرماتے ہیں کہ میں اس موضوع پر کہ ہر چیز کے مختلف اثرات ہوتے ہیں کئی بار گفتگو کر چکا ہوں لیکن پھر بھی جی نہیں بھرتا۔ اسی لیے تکرار کرتا ہوں اگلے اشعار میں اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم بار بار روٹی کھاتے ہو لیکن پھر بھی روٹی کی خواہش تمہیں رنجیدہ نہیں کرتی اور تم دوبارہ کھاتے ہو۔

بہ یکے روز ست و بہ دیگر چو شب　　ہے کہیں ۱؎ پہ دن کہیں پہ رات ہے
بہ یکے عیش ست و بہ دیگر تعب　　ہے کہیں عشرت کہیں پہ مات ہے

بہ یکے محبوب و بہ دیگر عدو　　ہے کہیں محبوب و بیگانہ کہیں
بہ یکے راح ست و بہ دیگر کدو　　ہے کہیں مے اور پیمانہ کہیں

بہ یکے آبست و بہ دیگر چو خوں　　ہے کہیں پانی کہیں پہ ہے یہ خوں
بہ یکے اعجاز و بہ دیگر فسوں　　معجزہ ہے اور کہیں پہ ہے فسوں

بہ یکے حلوا بہ دیگر چوسم　　ہے کہیں حلوا کہیں پہ ہے یہ سم
بہ یکے سنگ است و بہ دیگر صنم　　ہے کہیں پتھر کہیں پہ ہے صنم

بہ یکے جسم است و بہ دیگر چو روح　　ہے کہیں جسم اور کہیں پہ ہے یہ جاں
بہ یکے قیدست بہ دیگر فتوح　　ہے کہیں قیدی کہیں پہ کامراں

بہ یکے تیر ست و بہ دیگر کماں　　ہے کہیں تیرا اور کہیں پہ ہے کماں
بہ یکے نان ہست و بہ دیگر سناں　　ہے کہیں روٹی کہیں پہ ہے سناں

ہیں مزن تو از ملولی آہِ سرد　　غم ۲؎ سے تم ہر گز نہ کھینچو آہِ سرد
درد جو و درد جو و درد درد　　درد مانگو درد مانگو صرف درد

خادع درد اند درما نہائے ژاژ　　جھوٹ ۳؎ درمانوں کے درماں سازسب
رہزنند و زرستاناں رسم باژ　　چور ہیں رہزن ہیں دھوکے باز سب

آب شورے ہست درمانِ عطش　　پیاس کب بجھتی ہے آب شور سے
وقت خوردن گر نماید سرد و خوش　　چاہے وہ ٹھنڈا ہو اور اچھا لگے

۱؎ یہاں سے مولانا پھر پہلے والے موضوع یعنی مختلف اشیاء کے مختلف افراد پر مختلف اثرات ہوتے ہیں کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔
۲؎ نصیحت کی باتوں سے تم افسردہ دل مت ہو بلکہ اپنے دل میں آخرت کا درد پیدا کرو۔
۳؎ مولانا جھوٹے پیروں سے بچنے کی نصیحت کرتے ہیں۔

گفت دردت چینم و خود درد بود	کیا لے[1] دوا دیتا وہ خود بیمار تھا
باطناً خار و بظاہر ورد بود	گل نظر آتا تھا لیکن خار تھا
رو ز درمانِ دروغیں می گریز	جھوٹے درمانوں سے اپنی جان بچا
تا شود دردت مطیب مشک بیز	تا کہ تیرا درد ہو راحت فزا

[1] ایسے لوگ جو خود فریب کاری میں مبتلا ہوں دوسروں کی کیا رہنمائی کر سکتے ہیں۔

ہست و بود

بہ من از ہستیِ من جز نام نیست — میری[1] ہستی کچھ نہیں کچھ ہے تو نام
در وجودم جز تو اے خوش کام نیست — مجھ میں ہے بس تو ہی تو اے خوش مقام

زاں سبب فانی شدم من ایں چنیں — ہو گیا[2] تجھ میں فنا کچھ اس طرح
ہمچو سرکہ در تو بحرِ انگبیں — شہد کے دریا میں سرکہ جس طرح

ہمچو سنگے کو شود کُل لعل ناب — جس طرح ہوتا ہے پتھر لعل ناب
پُر شود او از صفاتِ آفتاب — جب وہ اپنا لے صفات آفتاب

وصفِ آں سنگی نماند اندرو — اُس کو پتھر پن سے ملتی ہے نجات
پُر شود از وصف خور اوپشت ورو — اور وہ اپناتا ہے سورج کی صفات

بعد ازاں گر دوست دارد خویش را — گر وہ[3] اپنی ذات سے کرتا ہے پیار
دوستی خُور بود آں اے فتیٰ — در حقیقت ہے وہ سورج سے پیار

ورکہ خور را دوست دارد او بجاں — ہے اگر سورج سے اُس کو دل سے پیار
دوستی خویش باشدے بے گماں — بے گماں یہ ہے اُسے اپنے سے پیار

اندریں دو دوستی خود فرق نیست — ایک جیسے ہیں یہ رشتے پیار کے
ہر دو جانب جز ضیائے شرق نیست — دونوں روشن ہیں اُسی کے نور سے

[1] میرے وجود کا تو صرف نام ہی نام ہے ورنہ اس میں دراصل تو ہے۔

[2] اگر سرکہ شہد کے دریا میں ڈال دیا جائے تو سرکہ محض نام ہی کا رہ جائے ورنہ وہ شہد میں مل کر شہد ہو جائے گا۔ اسی طرح میں بھی تیری ذات میں کھو گیا ہوں۔

[3] اگر پتھر اپنے آپ سے پیار کرتا ہے تو درحقیقت یہ پیار سورج سے ہے اس لیے کہ اسے یہ حسن و خوبی سورج سے ہی حاصل ہوئی۔

تا شدا و لعل خور را دشمن ست — لعل[1] گر پتھر رہے تو بالیقیں
زانکہ یک من نیست اینجا دو من ست — وہ ہے سورج سے جدا یکجاں نہیں

زانکہ ظلمانی ست سنگ، اے با حضور — سنگ تو تاریک ہے ، اے با شعور
ہست ظلمانی حقیقت ضدِ نور — اور ہے تاریکی ہمیشہ ضدِ نور

خویش را گر دوست دارد کافر ست — اپنا[2] گرویدہ ہے جو کافر ہے وہ
زانکہ اُو مناعِ شمسِ اکبر ست — یوں بڑے سورج سے ہی منکر ہے وہ

پس نشاید کہ بگوید سنگ اَنا — زیب کب دیتی ہے پتھر کو اَنا
اوہمہ تاریکی ست و در فنا — وہ سراپا تیرگی یہ اور فنا

گفت فرعونے انا الحق گشت پست — ہے انا[3] الحق سے کہیں فرعون پست
گفت منصور انا الحق و بہ ست — اور انا الحق سے کہیں منصور مست

آں اَنا را لعنت اللہ در عقب — وہ اَنا تھی لعنت حق کا ظہور
وریں اَنا را رحمت اللہ اے محبّ — یہ اَنا تھی رحمتِ حق کا ظہور

زانکہ او سنگِ سیاہ بود ایں عقیق — وہ سیاہ پتھر تھی اور یہ تھی عقیق
آں عدوّے نور بود و ایں عقیق — وہ تھی ضد نور یہ عشق رفیق

ہمچو چاہ کن خاک می کن گر کسی — چاہ کن بن کھود مٹی جسم کی
زیں تنِ خاکی کہ در آبے رسی — تا کہ پانی تک رسائی ہو تری

[1] اگر پتھر میں لعل کی صفات پیدا نہیں ہوئیں تو اس میں اور سورج میں تضاد ہے اس لیے کہ پتھر سیاہ ہے اور سورج روشن۔

[2] اگر انسان اپنے دل کو ذات باری کی محبت اور جلال سے منور کیے بغیر اپنے آپ کو باکمال سمجھنے لگے تو وہ گمراہی کا شکار ہوتا ہے۔

[3] جب فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا تو وہ پستی میں جا گرا، اس لیے کہ اس کا دل عشق الٰہی سے معمور نہ تھا لیکن جب منصور نے انا الحق یعنی میں حق ہوں کا نعرہ لگایا تو وہ ایمان و ایقان کی بلندیوں پر فائز ہوا اس لیے کہ اس کے دل میں سوائے اللہ کے کوئی نہ تھا اس کی ذات عشق حقیقی میں ڈوب کر ذات الٰہیہ کے صفات سے منور تھی۔ اُس کی انا سراپا رحمت تھی اور فرعون کی انا لعنت۔

گر رسد جذب خدا آب معین	ہو عطائے رب تو پھر آب رواں
چاہ ناکندہ بجوشد از زمیں	جوش سے پھوٹے گا بن کھودے کنواں

کار کے میکن تو و کاہل مباش	کام کر کچھ کام اور کاہل نہ بن
اندک اندک خاک چہ را میتراش	بس کنویں کو کھودتا جا بے تھکن

ہر کہ رنجے دید گنجے شد پدید	جس نے رحمت کی خزانہ پا لیا
ہر کہ جدے کرد درجدے رسید	جس نے محنت کی مقدر بن گیا

گفت پیغمبر رکوع و سجود	یہ رکوع [1] و سجدہ ہے قول نبیؐ
بر درِ حق کوفتن حلقہ وجود	"ہے درِ اللہ پہ دستک تری"

حلقہ آں در آنکو میزند	کھٹکھٹایا [2] جس نے در اللہ کا
بہر اُو دولت سرے بیروں کند	اُس کو دنیا کا خزانہ مل گیا

[1] آنحضورؐ کے ارشاد کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ عبادت درِ حق پر دستک کے مترادف ہے اور جب کوئی سوالی بار بار مسلسل دستک دیتا ہے تو حق کا دروازہ ضرور کھلتا ہے۔

[2] مشہور مقولہ ہے:

من دق باب الکریم الفتح
جس نے حق کا دروازہ کھٹکھٹایا اس کے لیے دروازہ کھل گیا۔

رب رحمان ورحیم

تو حیاتے میدہی در ہر نفس   ہر نفس و زندگی بخشی ہمیں
کز نفیسی می نگنجد در نفس   جس کی خوبی کابیاں ممکن نہیں

تو حیاتے میدہی بس پائیدار   کی عطا ہم کو حیات[1] پائیدار
تقدِ زرِ بے کساو و بے شمار   نعمتیں دیں بے ملاوٹ بے شمار

تو کجائی تا کہ صد چنداں کرم   تو کہاں ہے؟ سو گنا تیرا کرم
بامن خستہ بجا آری نعم   مجھ سے عاجز پہ ہو اب اے محترم

تو کجائی تا دو صد لطف و عطا   تو کہاں ہے؟ سوگنا لطف و عطا
با غریب خستہ دل آری بجا   ہو غریب خستہ جاں پہ بارہا

توکجائی تا کہ خنداں چوں چمن   تو کہاں؟ تا کہ مثل گلستاں
گویم بستاں دو صد چنداں زمن   تو کہے لے بھر لے اپنی جھولیاں

من ہمی گویم بس و تو مفصلم   میں کہوں اے مہرباں بس تو کہے
گفتہ کیں ہم گیر از بہر دلم   میری خاطر اور لے کچھ اور لے

محسناں ہستند کو آن مستطاب   یوں[2] تو محسن ہیں بہت تجھ سا نہیں
اختراں ہستند کو آن آفتاب   انگنت تارے ہیں سورج سا نہیں

1. یعنی روحانی عطیات اور فضائل۔
2. دنیا میں محسن تو بہت ہیں لیکن رب کریم جیسا نہیں، جو بن مانگے بھی کرم فرماتا ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ دنیاوی محسن بھی محسن حقیقی کے محتاج ہیں۔

ظاہر و باطن

ہیں گذر از نقش خُم در خُم نگر   خُم[1] کی صورت کو نہ دیکھ اے مہرباں
کاندرو بحرست بے پایان وسر   اس کے اندر دیکھ بحرِ بیکراں

پاک از آغاز و آخر آں عذاب   پاک و شیریں ہے یہ پانی بے گماں
ماندہ محروماں زقہرش در عذاب   اس سے محرومی ہے قہرِ آسماں

تا چنیں بحر در جہاں ظاہر شود   مردِ حق سے ہوں عیاں اسرار ہُو
مُقبل اندر جستجو ماہر شود   اے خوشا جس کو ہو اِن کی جستجو

تا فزاید در جہاد و کوشش اُو   جستجو بڑھتی رہے اس کی سدا
تا میسر گرددش دیدارِ ہُو   ہو میسر تا کہ دیدارِ خُدا

اہلِ دل ہمچوں کہ جو در وے رواں   اہل دل میں عشق کی نہر رواں
بے دوئی یک گشتہ با دریائے جاں   بحرِ حق سے ہو گئی ہے ایک جاں

ایں چنیں خُم را تو در یم داں یقیں   ہے یہی خُم رشکِ بحرِ بیکراں
زندہ از وے آسمان و ہم زمیں   اُس سے قائم ہیں زمین و آسماں

بلکہ وحدت گشت اورا در وصال   کھو[2] گیا وحدت میں پایا وہ وصال
شد خطابِ اُو خطابِ ذوالجلال   ہے کلام اُس کا کلامِ ذوالجلال

[1] خُم کی ظاہری صورت کو نہ دیکھ بلکہ جو کچھ اس کے اندر ہے اُس کو دیکھ اس کے اندر ایک لامحدود سمندر ہے اُس سے فائدہ اُٹھا، اہل دل کے اندر بھی فیوض الٰہی کا لامحدود ذخیرہ ہے۔ جو کوئی ان سے محروم رہا وہ عذاب الٰہی کا مستحق ٹھہرا۔

[2] یہ اہل دل فنا فی اللہ ہو کر اس مقام پہ پہنچے ہیں جہاں ان کا کہا اللہ کے کہے کا درجہ رکھتا ہے۔

بعد ازاں گوید قُمِ منصور وار   جب [1] لگائے وہ انا الحق کی صدا
تا شود بر دارِ شہرت اُو سوار   دار رسوائی ہے اُس کا مدعا

ہے زچہ معلوم گرو وایں زبعث   مر کے زندہ ہو یہی ہے زندگی
بعث را جو، کم کن اندر بعث بحث   جستجو کر اُس حیات تازہ کی

شرطِ روزِ بَعث اوّل مردن است   جی [2] اُٹھیں گے پھر مگر مرنے کے بعد
زانکہ بعث از مُردہ زندہ کردن است   تن جئیں گے پھر مگر مرنے کے بعد

جملہ عالم زیں غلط کردند راہ   یہ جہاں والے ہیں سب گُم کردہ راہ
کز عدم ترسند و آں آمد پناہ   خوف کیسا! ہے عدم جائے پناہ

از کجا جوئیم ہست از ترکِ ہست   ترک [3] ہستی سے ملے ہستی تجھے
از کجا جوئیم وست از ترکِ وست   ترکِ قدرت سے تجھے قدرت ملے

ہم توانائی کرو یانعم المُعیں   تیری قدرت میں ہے اے ربِ مُعیں
دیدۂ معدوم بیں راہست بیں   چشمِ کم بیں کو بنا دے دور بیں

[1] اس مقام پر پہنچ کر صاحب دل انا الحق کی صدا لگاتا ہے اور بظاہر بدنامی کی سولی پر چڑھ جاتا ہے جو حیات ابدی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

[2] حشر اور بعث بعد الموت جبھی ہوگا جب پہلے موت آئے گی کیونکہ بعث تو مرنے کے بعد زندہ کرنے کو کہتے ہیں، لہٰذا بعث کے لیے پہلے مرنا ضروری ہے۔ جو موت سے ڈرتے ہیں وہ گم کردہ راہ ہیں، اس لیے کہ عدم تو جائے پناہ ہے۔

[3] جب انسان نے اپنی ہستی کو فنا کر دیا تو اُسے حقیقی ہستی ملی جو غیر فانی ہے، اسی طرح جب انسان جاہ و حشمت کو چھوڑ کر قادرِ مطلق کے آگے جھک جاتا ہے تو اُسے روحانی طاقت و قدرت حاصل ہوتی ہے۔

ہے وہی حاجت روا

ہر چہ روئید از پے محتاج رُست   جو اُگا محتاج کی خاطر اُگا
تا بیابد طالبے چیزے کہ جُست   تا کہ طالب پا سکے ہر مدعا

حق تعالیٰ کایں سمٰوت آفرید   حق نے یہ ارض و سما پیدا کیے
از برائے دفعِ حاجات آفرید   تا کہ سب کی حاجتیں پوری کرے

ہر کہ جویا شد بیابد عاقبت   جستجو لے[1] کی مدعا حاصل ہوا
مایہ اش درد ست و اصلِ مرحمت   اصل میں ہے درد ہی وجہ عطا

ہر کجا دردے دوا آنجا روَد   درد[2] ہو تو درد کا درماں بھی ہے
ہر کجا فقرے نوا آنجا رود   فقر ہو تو فقر کا ساماں بھی ہے

ہر کجا مشکل جو اب آنجا رود   ہو اگر مشکل تو آسانی بھی ہے
ہر کجا کِشتے ست آب آنجا رود   ہو جہاں کھیتی وہاں پانی بھی ہے

آب کم جو تشنگی آور بدست   چھوڑ[3] و پانی کی طلب پیاسے رہو
تا بجوشد آب از بالا و پست   خود بخود آئے گا پانی جو بجو

رو بدیں بالا و پستیہا بدو   جا تنگ و دو کر جہاں میں چار سُو
تا شوی تشنہ حرارت را گرو   پیاس ہو پیدا بدن ہو شعلہ خُو

[1] تمام چیزوں کی تخلیق حاجتیں پوری کرنے کے لیے ہے تو پھر جو کوئی بھی خلوص دل سے طالب ہوا اُسے مقصود مل گیا، اس کا درد ہی اس کا سرمایہ اور رحمت کے حصول کی وجہ ہے۔

[2] جہاں جس چیز کی ضرورت ہو حق تعالیٰ وہاں پہنچا دیتا ہے بشرطیکہ طالب عجز و نیاز سے طلب کرے۔

[3] پانی کی طلب نہ کر پیاسا رہ، یعنی دنیا کے آرام و آسائش کی بجائے زہد و تقویٰ کی سختی برداشت کر پانی یعنی رحمت خداوندی خود بخود تیری طرف رجوع کریگا۔

بعد ازاں از بانگ زنبور ہوا   پھر [1] ہوا کی سنسناہٹ سے سدا
بانگِ آب جو نیوشی اے کیا   نہر کے پانی کی آئے گی صدا

حاجت تو کم نباشد از حشیش   گھاس [2] کی مانند جب پیاسا ہو تو
آب را گیری سوئے او می کشیش   ہو گی پانی کو تمہاری جستجو

گوش گیری آب را تو می کشی   تو ہی لے جاتا ہے پانی نہر سے
سوئے زرع خشک تا یابد خوشی   تا کہ کھیتی تازگی حاصل کرے

زرع جاں راکش جواہر مضمر ست   روح [3] کی کھیتی میں ڈھونڈو لعل وزر
ابر رحمت پُر ز آب کوثر ست   ابر رحمت میں ہے کوثر سر بسر

تا سقاھم ربھم آید خطاب   خود بخود سیراب کر دیتا ہے رب
تشنہ باش اللہ اعلم بالصواب   تشنہ رہ اللہ کو ہے معلوم سب

[1] جب تو پیاس پیدا کرے گا تو غیب سے خود بخود پانی کی آواز آئے گی۔ یعنی تیری طلب میں تسلسل اور تجسس رہا تو مطلوب خود بخود تیری طرف آئے گا۔

[2] جب گھاس کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو مالی خود پانی اس کو پہنچاتا ہے۔ تم بھی اپنی طلب میں ثابت قدم رہو۔

[3] روح کی کھیتی کو آباد کرو اس کے لیے ابر رحمت آب کوثر برسائے گا یعنی حق تعالیٰ کی رحمتیں برسیں گی۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے سقاھم ربھم شرابا طہورا، پلائی ان کو ان کے خدا نے پاک شراب۔

سگِ کوئے لیلیٰ

ہمچو مجنوں کو سگے را می نواخت	وہ کہ اک کتے کو مجنوں کی طرح
بوسہ اش میداو پیشش می گداخت	جان و دل سے پیار کرتا چومتا
گرد اُو می گشت خاضع در طواف	عاجزی سے گھومتا تھا اُس کے گرد
ہمچو حاجی گردِ کعبہ بے گزاف	جیسے حاجی خانہ کعبہ کے گرد
گہ سروپا لیش ہمی بوسید و ناف	گاہے سرا اور گاہے پاؤں چومتا
گہ جلاب شکرش می داو صاف	گاہے دیتا شربت خوش ذائقہ
بو الفضولے گفت کاے مجنون خام	پوچھا اک کم فہم نے پاگل ہو گیا
ایں چہ شیدست اینکہ می آری مدام	کیسی مکاری میں ہو تم مبتلا
عیبہائے سگ بے اُوی شمرو	اُس نے گنوائے کئی کتے کے عیب
عیداں از غیداں بوئے نبرو	اُس کو کب معلوم تھے اسرارِ غیب
گفت مجنوں تو ہمہ نقشی و تن	تم تو لے ظاہر بیں ہو مجنوں نے کہا
اندر آ و بنگرش از چشمِ من	دیکھ میری آنکھ سے اِس کو ذرا
کایں طلسمِ بستہ مولیٰ ست ایں	یہ جنوں ہے دادِ حق اے مہرباں
پاسبانِ کوچۂ لیلیٰ ست ایں	کوچہ لیلیٰ کا ہے یہ پاسباں

[1] مجنوں اپنے معترض سے کہتا ہے کہ تمھیں اس کتے کی قدر و قیمت کیا معلوم، تم اسے ظاہری نظر سے دیکھتے ہو اگر میری طرح دل کی نظر سے دیکھو تو پھر تمھیں کوئے لیلیٰ کے اس پاسباں کی اہمیت اور اصل مقام کا علم ہوگا۔

ہمتش بین و دل و جان و شناخت اُس کی[1] ہمت اُس کے جان و دل کو دیکھ
کو کجا بگزید و مسکن گاہ ساخت جو چُنی ہے اُس نے اُس منزل کو دیکھ

اُو سگِ فرخ رخِ کہفِ من ست وہ مری تنہائیوں کا ہے رفیق
بلکہ اُو ہم درد و ہم لہجۂ من ست خوبرو و ہمدرد اور بیحد شفیق

آں سگے کہ گشت در کویش مقیم کوئے لیلٰی میں ہو جو کتا مقیم
خاک پایش بہ زشیرانِ عظیم اُس کی خاکِ پا بھی شیروں سے عظیم

آنکہ شیراں مر سگانش را غلام جو ہیں[2] اُس ہستی کے کتوں کے غلام
گفت امکاں نیست خامُش والسلام ہو بیاں کیسے بھلا اُن کا مقام

گر ز صورت بگزرید اے دوستاں تم[3] اگر صورت پرستی چھوڑ دو
جنت ست و گلستاں در گلستاں جنت و گلزار ہوں گے چار سو

صورت خود چوں شکستی سوختی خود پرستی سے اگر پائی نجات
صورت کل را شکست آموختی دے سکو گے تم ہر اک صورت کو مات

بعد ازاں ہر صورتے را بشکنی توڑ دو گے ہو بت نویا کہن
ہمچو حیدر بابِ خیبر بر کنی ہو گے حیدر کی طرح خیبر شکن

1. مجنوں کہتا ہے کہ اس کتے کی اہمیت اُس کی منزل سے ہے جو اس نے اپنے لیے منتخب کی ہے۔
2. مولانا فرماتے ہیں کہ جو اشخاص حق تعالیٰ کے غلاموں کے خادم ہوں اُن کی عظمت کو بیان کرنا آسان نہیں۔
3. اگر انسان ذاتِ خداوندی کے عشقِ حقیقی سے مالا مال ہو اور اپنی ذات کی نفی کر سکے تو اُسے جنت کی راحتیں نصیب ہوں گی۔

بہلولؒ کا اِک دَرویش سے سوال

گفت بہلول آں یکے درویش را　　پوچھا[1] جب بہلول نے درویش سے
چونی اے درویش واقف کن مرا　　کون ہو کیا ہو یہ بتلاؤ مجھے

گفت چوں باشد کسیکہ جاوداں　　بولا اس کا حال کیا کیجئے بیاں
بَر مُرادِ اُو رَوَد کارِ جہاں　　جس کی مرضی سے چلے کارِ جہاں

سیل و جوہا بمرادِ اُو روند　　نہر و دریا اس کی مرضی سے رواں
اختراں زاں ساں کہ اُو خواہد شوند　　جب بھی وہ چاہے ستارے ہوں عیاں

زندگی و مرگ سرہنگاںِ اُو　　زندگی اور موت بھی اُسکے غلام
بَر مراد اُو روانہ کو بہ کو　　اس کی مرضی سے عمل پیرا مدام

ہر کجا خواہد فرستد تعزیت　　وہ جہاں چاہے وہاں سوں مرگ و غم
ہر کجا خواہد بہ بخشد تہنیت　　وہ جہاں چاہے رکھیں خوشیاں قدم

سالکانِ راہ ہم بگامِ اُو　　اُس[2] کے نقشِ پا سے رہرو پائیں راہ
ماندگانِ راہ ہم در دامِ اُو　　اور اُسی کے حکم سے کھو جائیں راہ

ہیچ دندانے نہ خندد در جہاں　　مسکرا سکتا ہے کب کوئی بھلا
بے رضا وأمر آں فرماں رواں　　گر نہ اُس کار فرما کی رضا

بے رضائے اُو میفتد ہیچ برگ　　ایک پتہ بھی نہ گر پائے کبھی
بے قضائے اُو نیاید ہیچ مرگ　　وہ نہ چاہے تو نہ آئے موت بھی

1. ان اشعار میں مولانا درویش کی زبانی یہ بیان فرماتے ہیں کہ کائنات میں سب کچھ حکمِ ربی سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔
2. حق تعالیٰ کے حکم سے ہی انسان اپنی منزل تک پہنچتا ہے اور اُسی کی مرضی سے راستہ کھو دیتا ہے۔

بے مرادِ اُو بجنبد ہیچ رگ   اس کی مرضی سے ہیں جان و دل رواں
در جہاں ز اوجِ ثریا تاسمک   عرش سے تا فرش یہ سارا جہاں

گفت اے شہ راست گفتی ہمچنیں   حضرت بہلول بولے اے حضور
در فرو سیمائے تو پیداست ایں   آپ کے چہرے سے ہے اس کا ظہور

این و صد چندیں اے صادق ویک   سچ ہے صد در صد مگر اے پاک جاں
شرح کو ایں را بیاں کن نیک نیک   کیجئے اس کو وضاحت سے بیاں

آنچنانکہ فاضل و مردِ فضول   اس طرح کہ عاقل و ناقص سبھی
از دل و از جاں کند اُورا قبول   مان لے تسلیم کر لے ہر کوئی

آنچنانش شرح کن اندر کلام   گفتگو میں اس طرح کیجئے بیاں
کہ ازاں ہم بہر یابد عقل عام   ہر کوئی اس کو سمجھ لے بے گماں

ناطق کامل چو خواں باشے بُود   واعظ کامل کے خوانِ وعظ پہ
بر سرِ خوانش زہر آشے بُود   ہر طرح نعمتیں ہوں جلوہ گر

تانماند ہیچ مہماں بیْنوا   بھوکا رہ جائے نہ کوئی مہماں
ہر کسے یابد غذائے خود جدا   جو بھی چاہے وہ غذا پائے وہاں

گفت ایں بارے یقیں شد پیشِ عام   مانتے ہیں سب کہا درویش نے
کہ جہاں در امرِ یزداں ست رام   ہے رواں دنیا خدا کے حکم سے

ہیچ برگے در نیفتد از درخت   ایک پتہ بھی نہیں گرتا کبھی
بے قضا و حکم آں سلطانِ تخت   ہو نہ جب تک اُس کو حکم ایزدی

از دہاں لقمہ نشد سوئے گلو   منہ سے لقمہ پیٹ تک جاتا نہیں
تا نگوید لقمہ را حق کادخلُو   جب تلک وہ حکم رب پاتا نہیں

میل و رغبت کاں زمامِ آدمی ست   زندگی میں آدمی کی ہر ادا
جنبشِ آں رامِ امرِ آں غنی ست   تابع فرمان ربی ہے سدا

ایں قدر بشنو کہ چوں کلی کار   غور سے سن لو کہ اس دنیا کے کام
می نہ گردو جز بامرِ کردگار   اُس کی مرضی سے ہی ہوتے ہیں تمام

چوں قضائے حق رضائے بندۂ شد   جب [1] قضائے حق ہو بندہ کی رضا
حکمِ او را بندہ خواہندہ شد   کیوں نہ ہو مطلوب اس کو ہر قضا

بے تکلف نے پے مزد و ثواب   بے تکلف بے اُجر اور بے صلہ
بلکہ طبعِ اُو چناں شد مستطاب   ہر قضا پہ جان و دل سے ہو فدا

زندگیِ خود نخواہد بہرِ خود   زندگی اس کی نہ ہو اپنے لیے
بلکہ خواہد از پئے حکمِ اَحد   ہو رضائے ایزدی کے واسطے

ہر کجا امرِ قدم را مسلکے ست   امر[2] ربی کا ہے جو بھی راستہ
زندگی و مردگی پیشش یکے ست   ہے پسند اس کو بلا خوف و خطا

بہرِ یزداں می زید نے بہرِ گنج   بہرِ حق زندہ ہے بہرِ زر نہیں
بہرِ یزداں می مُرد نز خوف ورنج   بہرِ حق مرتا ہے وہ ڈر کر نہیں

ہست ایمانش برائے خواہِ اُو   اس [3] کا ایماں ہے خدا کے واسطے
نے برائے جنت و اشجار و جو   وہ نہیں خلد و جزا کے واسطے

[1] جب بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور فیصلوں پر راضی ہوگیا تو اللہ کا ہر فیصلہ اس کا مطلوب ہوگا، وہ کسی ثواب اور اجر کی توقع کے بغیر اللہ کے ہر حکم کو دل وجان سے تسلیم کرے گا اور صرف رضائے الٰہی کے لیے زندگی بسر کرے گا۔

[2] جو بھی خدا کا ازلی حکم ہے اُسے وہی راستہ پسند ہے، خواہ وہ زندگی ہو یا موت۔

[3] اُس کا ایمان بھی صرف اور صرف رضائے خداوندی کے لیے ہے نہ کہ جنت کے لالچ کے لیے اور کفر سے نفرت بھی رضائے مولا کے لیے ہے نہ کہ جہنم کے ڈر سے۔

تَرکِ کفرش ہم برائے حق بُوَد — کفر کو چھوڑا خدا کے واسطے
نے زِبیمِ آں کہ در آتش رَوَد — یہ نہیں خوفِ سزا کے واسطے

بندۂ کِش خوی و خِلقت ایں بُوَد — جس[1] کی ہوں یہ خصلتیں کارِ جہاں
نے جہاں بر امر و فرمانش رَوَد — کیوں نہ ہو اُس کے اشاروں سے رواں

[1] جب کسی شخص میں رضائے خداوندی کی یہ کیفیت پیدا ہوجائے تو پھر اس کا اشارہ اشارۂ خداوندی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ اسے رضائے الٰہی حاصل ہوتی۔

نظر اپنی

دید احمدؐ را ابو جہل و بگفت[1]   بو جہل بولا نبیؐ کو دیکھ کر
زشت نقشی کز بنی ہاشم شگفت   ایسا بد صورت بنی ہاشم کے گھر

گفت احمدؐ مرو را کہ راستی   مصطفیؐ بولے بجا کہتا ہے تو
راست گفتی گرچہ کار افزاستی   تو ہے سچا گرچہ ہے بیہودہ گو

دید[2] صدیقش بگفت اے آفتاب   جب کہا صدیقؓ نے اے آفتاب
اے ز شرقی نے زغربی خوش بتاب   تو ہے شرقی اور نہ غربی خوش بتاب

گفت احمدؐ راست گفتی اے عزیز   مصطفیؐ بولے کہ تو نے سچ کہا
اے رہید تو زدِ نیائے نچیز   تو کہ ہے دنیا و دیں سے ماورا

حاضراں گفتند کاے صدرالورا   حاضریں بولے کہ شاہ دوسرا
راست گو گفتی تو دو ضد گو را چرا   تو نے کیوں ضدین کو سچا کہا

گفت من آئینہ ام مصقول دست   میں ہوں روشن آئینہ بولے نبیؐ
ترک و ہندو در من آں بیند کہ ہست   مجھ میں اپنا عکس دیکھے ہر کوئی

ہر کرا آئینہ باشد پیش رو   آئینہ رکھا ہو جس کے روبرو
زشت و خوب خویش را بیند درو   اس میں اپنا عکس دیکھے ہو بہو

1 ابوجہل نے حضورؐ کو دیکھ کر طنزاً کہا کہ مقام حیرت ہے کہ آپ جیسا بدصورت بنی ہاشم کے ہاں پیدا ہوا۔

2 جب حضرت صدیقؓ نے دیکھا تو فرمایا کہ آپ آفتاب حسن ہیں جو نہ مشرق کے لیے ہے نہ مغرب کے لیے بلکہ دونوں عالم کے لیے ہے۔ آنحضورؐ نے دونوں کی بات سن کر فرمایا کہ تم سچے ہو، یہ سن کر حاضرین نے دریافت کیا کہ حضورؐ ان دونوں کے بیان متضاد تھے۔ پھر آپ نے دونوں کو سچا کیونکر کہا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں ایک روشن آئینہ کی طرح ہوں جو بھی مجھ پر نظر ڈالے گا اُسے اپنا آپ ہی نظر آئے گا۔

مَن و تو

کُلُّ شَیءٍ ھَالِکٌ جُز وجہِ اُو   ذاتِ [1] باری کے سوا ہر شے فنا
چوں نہٗ در وجہِ اُوہستی مجو   گُم نہ ہو اُس میں تو پھر جینا ہی کیا

ہر کہ اندر وجہِ ما با شد فنا   بے گماں مجھ میں ہوا جو بھی فنا
کُلُّ شَیءٍ ھَالِکٌ نَبْوَد جزا   کُلُّ شَیءٍ ھَالِک سے بچ گیا

زانکہ در اِلّا ست اُو از لا گذشت   محو اِلّا ہو تو لا سے کیا غرض
ہر کہ درِ اِلّا ست اُو فانی نگشت   وقفِ اِلّا کو فنا سے کیا غرض

ہر [2] کہ بَر درِ اُو من و ما می زند   جو وہاں چھیڑے مَن وما کا بیاں
ردِّ باب ست اُو بَر لا می تند   وہ ہوا مردود حق اور بے نشاں

آں یکے آمد درِ یارے بزد   کھٹکھٹایا [3] یار کا دربار نے
گفت یارش کیستی کیں در مزد   کون ہے پوچھا بگڑ کر یار نے

گفت من گفتش برو ہنگام نیست   "میں ہوں" یہ سن کر کہا "جا لوٹ جا"
برچنیں خوانے مقامِ خام نیست   "خام ہے تو مجھ سے کیا رشتہ ترا"

خام را جز آتشِ ہجر و فراق   سوزِ ہجراں سے حیاتِ نو ملے
کہ پزد کہ وا رہاند از نفاق   خام پختہ ہوئی جاتی رہے

1 قرآن پاک میں ارشادِ ربانی ہے کہ ذات پاک کے علاوہ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جو ذات باری کا ہو گیا وہ فنا نہیں ہوگا اس لیے کہ حق تعالیٰ کی ذات غیر فانی ہے اُس میں سما گیا وہ فنا سے بچ گیا۔

2 جس کسی نے اپنے آپ کو اس ذات دائم و قائم سے جدا رکھا اور اس کے در پر من و ما یعنی "میں" کہا وہ وہاں سے رد ہو کر فنا ہو گیا۔

3 اب مولانا اس نکتہ کو ایک قصہ میں بیان کر کے واضح کرتے ہیں۔

چوں توئی تو ہنوز از تو نرفت تو کہ ہے اب تک من و تو کا شکار
سوختن باید ترا در نارِ تفت جا دہکتی آگ کا بن جا شکار

رفت آں مسکین و سالے در سفر سال[1] بھر تک وہ رہا محو سفر
در فراقِ دوست سوزید از شرر دوست کی فرقت میں سرتا سرشرر

پختہ گشت آں سوختہ پس باز گشت جل کے خاکستر ہوا تو لوٹ کر
باز گردِ خانۂ انبار گشت آ گیا پھر آستانِ یار پر

حلقہ زد بر در بصد خوف و ادب کھٹکھٹایا اور بصد خوف و ادب
تانہ بجہد بے ادب لفظے زِلب کچھ نہ بولا تانہ ہو سوئے ادب

بانگ زد یارش کہ بر در کیست آں یار بولا کون ہے در پر بتا
گفت بر در ہم توئی اے دلستاں در پہ تو خود ہی تو ہے اُس نے کہا

گفت اکنوں چوں منی اے من درآ تو کہ اب میں ہوں تو اے میں آ یہاں
نیست گنجائے دو من دریک سرا اک جگہ دو میں کی گنجائش کہاں

چوں یکے باشد ہمہ بنود دوئی جب ہوئی یکجاں دوئی جاتی رہی
ہم منی برخیزد آنجا ہم منی اور من وتو کی خودی جاتی رہی

نیست سوزن را سرِ رشتہ دوتا ایک سوئی[2] میں ہیں دو دھاگے کہاں
چونکہ یکتائی دریں سوزن درا سوئی میں آ جا کہ ہیں ہم ایک جاں

رشتہ را باشد بسوزن ارتباط سوئی اور دھاگے کا رشتہ ہم نشیں
نیست در خور باجمل سَم الخیاط اونٹ اور سوئی کے ناکے کا نہیں

۱ وہ دوست سال بھر جدائی کی آگ میں جلتا رہا اور جب اس نے ریاضت اور مجاہدہ سے غیریت اور دوئی کو ختم کر دیا اور اسے اپنی ذات میں دوست کی ذات نظر آنے لگی تو پھر آستانِ یار پر آیا۔ ۲ سوئی کے ناکے سے صرف ایک سرے والا دھاگا ہی گزر سکتا ہے دوسروں والا دھاگا گزرنا مشکل ہوتا ہے لیکن جب دونوں سرے مل کر ایک ہوجائیں تو پھر دھاگا گزر جاتا ہے۔

که شود باریک ہستی جمل   اُونٹ [1] کو لاغر بنانے کے لیے
جز بمقراضِ ریاضات و عمل   کاٹیے زہد و عمل کی دھار سے

دستِ حق باید مرآں را اے فلاں   تو اُسی کے دم سے ہو گا کامراں
کاں بود بر ہر محالے کن فکاں   پُر اثر ہے جس کا قولِ کن فکاں

ہر محال از دست اُو ممکن شود   وہ کہ نا ممکن کو بھی ممکن کرے
ہر حروں از بیمِ اُو ساکن شود   سرکشوں کو خوف سے ساکن کرے

اَکمہ و ابرص چہ باشد مردہ نیز   اندھا ہو کر کوڑھی ہو جائے یا بے جاں کوئی
زندہ گردو از فسونِ آں عزیز   اُس کے دم سے زندگی پائے نئی

واں عدم کز مردہ مردہ تر بُود   مردہ تر سے مردہ تر بے جان بھی
در کفِ ایجادِ اُو مضطر بُود   دستِ قدرت سے ہی پائے زندگی

کُلَّ یَومٍ ھُوَ فِی شَأنٍ بخواں   پڑھ [2] وہ رہتا ہے سدا مصروف کار
مَر وُرا بے کار و بے فعلے مداں   وہ نہیں ہوتا کبھی بے کار و بار

کمتریں کاریش ہر روز ست آں   اُس کا یہ معمول ہے ہر روز کا
کو سہ لشکر راکند ایں سو رواں   تین لشکر اس طرف ہے بھیجتا

لشکرے زِ اصلاب سوے اُمہات   ایک رواں باپوں سے ماؤں کیلئے
بہرآں تا در رحم روید نبات   بطن مادر میں ہی جو پھولے پھلے

لشکرے ز ار حام سوئے خاکداں   اک رواں ہو بطن سے سوئے زمیں
تا ز نر وماده پُر گردو جہاں   تا ہو مرد و زن سے پُر روئے زمیں

[1] نفس امارہ موٹے اونٹ کی طرح ہے اسے ریاضت سے لاغر بنایا جائے تاکہ سلوک کے تنگ مقامات سے گزر سکے۔

[2] حق تعالیٰ ہر لحظہ مصروف کار رہتا ہے، وہ ماں باپ کے تعلق سے مرد و زن پیدا کرتا ہے جو دنیا میں معینہ زندگی گزار کر عدم کا راستہ لیتے ہیں اور وہاں اس دنیا میں اپنے اعمال کی جزا و سزا پاتے ہیں۔

لشکرے از خاکداں سوئے اجل   اک زمیں سے لے عدم کا راستہ
تا بہ بیند ہر کسے حُسنِ عمل   تا کہ سب پائیں صلہ اعمال کا

ایست لشکر ہائے حق بیحد و مر   حق کے لشکر ہیں بہت اور بیشمار
ازپئے ایں گفت ذکریٰ للبشر [1]   ذکر ہے قرآں میں اُن کا بار بار

ایں سخن پایاں ندارد ہیں بتاز   نا مکمل ہے یہ سب ذکر و بیاں
سوئے آں دو یارِ پاک و پاکباز   پھر کہو اُن دوستوں کی داستاں

گفت یارش کاندر آ اے جملہ من   یار بولا تو مرا سب کچھ ہے آ
نے مخالف چوں گل و خارِ چمن   ہم نہیں اب مثلِ خار و گُل جدا

رشتہ یکتا شد غلط کم شد کنوں   اِک ہوا دھاگا دوئی جاتی رہی
گرا دوتا بنی حروفِ کاف ونوں   گرچہ ہیں دو حرف کاف و نون بھی

ہر نبی و ہر ولی را مسلکے ست   ہیں [2] جدا سب انبیاء کے راستے
لیک تا حق می بُرد جملہ یکے ست   ہیں مگر سب وصلِ حق کے واسطے

[1] سورہ مدثر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وما یعلم جنود ربک الا ھو وما ھی الا ذکری للبشر" یعنی پروردگار کے لشکروں کو سوائے پروردگار کے اور کوئی نہیں جانتا اور وہ انسان کے لیے عبرت ہیں۔

[2] اگرچہ تمام انبیاء علیہ السلام اور اولیاء کرام نے اپنے اپنے انداز میں تبلیغ حق کی ہے لیکن ان سب سے ارشادات ذاتِ حق کی طرف رہنمائی کرتے تھے۔

اللہ گفتنِ نیازمندعینِ لبیک گفتنِ حق ست

(نیازمند کا اللہ کہنا اللہ کا لبیک کہنا ہے)

آں یکے اللہ می گفتے شباں — رات[1] بھر کرتا تھا وہ ذکرِ خدا
تا کہ شیریں می شد از ذکرش زباں — ذکر سے کرتا زباں کو خوش مزا

گفت شیطانش خموش اے سخت رو — اُس سے شیطان نے کہا اے سخت جاں
چند گوئی آخر اے بسیار گو — چپ رہو کب رہو گے مدح خواں

ایں ہمہ اللہ گوئی از عتو — اللہ اللہ کر رہے ہو بے حساب
خود یکے اللہ را لبیک کو — کیا کبھی اللہ سے آیا ہے جواب

او شکستہ دل شد و بنہاد سر — سن کے یہ وہ دل شکستہ سو گیا
دید در خواب اُو خضر را در خضر — خواب میں آئے خضر اور یہ کہا

گفت ہیں از ذکر چوں وامانده — کر دیا ہے ترک کیوں ذکر خدا
چوں پشیمانی ازاں کش خواندهِ — یادِ حق پہ کیوں ہے شرمندہ بتا

گفت لبیکم نمی آید جواب — کیا کروں ملتا نہیں کوئی جواب
زاں ہمی ترسم کہ باشم ردِ باب — ڈر ہے شاید ہو چکا ہوں ردِ باب

گفت خضرش کہ خدا گفت ایں بمن — خضر بولے مجھ سے حق نے ہے کہا
کہ برو با اُو بگو اے ممتحن — اے اسیرِ آزمائش سن ذرا

[1] ایک عابد رات بھر ذکرِ خدا میں مصروف رہتا تھا، شیطان نے اسے یہ کہہ کر بہکانا چاہا کہ تم اتنی عبادت کرتے ہو کیا کبھی حق تعالیٰ سے قبولیت کا کوئی جواب ملا، یہ سن کر وہ شخص قدرے ڈگمگایا لیکن خضر علیہ السلام نے خواب میں اُسے بشارت دی کہ حق تعالیٰ تمہارے ایک یارب کہنے پر بار ہا لبیک فرماتے ہیں۔

گفت آں اللہ تو لبیک ماست	تیری [1] یا رب کی صدا میری صدا
آں نیاز و درد و سوزت پیک ماست	تیرا عجز و سوز و غم قاصد مرا
نے ترا در کارمن آوردہ ام	میں [2] نے ہی مصروفیت دی ہے تجھے
نے کہ من مشغول ذکرت کردہ ام	ذکر کی توفیق بخشی ہے تجھے
حیلہا و چارہ جوئیہائے تو	تیری تدبیریں تیری سب کوششیں
جذبِ ما بود و کشاد ایں پائے تو	کارگر میری کشش سے ہی ہوئیں
ترس و عشق تو کمند لطف ماست	میری [3] رحمت کا سبب تیرا نوں
زیر ہر یا ربّ تو لبیکہاست	بارہا لبیک یا رب پہ کہوں
جانِ جاہل زیں دعا جز دور نیست	دور رہتا ہے دعا سے بے یقیں
زانکہ یا ربّ گفتنش دستور نیست	یا خدا کہنے کی عادت ہی نہیں
بر دہانش و بر دلش قفل ست و بند	قفل ہے اُس کے لب و دل پر لگا
تا ننالد باخدا وقتِ گزند	تا کہ غم میں وہ نہ کر پاوے دُعا
داد مر فرعون را صد ملک و مال	جب دیا فرعون کو سب ملک و مال
تا کہ کرد او دعویٰ عز و جلال	خود کو سمجھا میں ہوں رب ذوالجلال
درہمہ عمرش ندید اُو دردِ سر	عمر [4] بھر سر درد سے بھی تھا بری
تانالہ سوئے حق اُو بد گہر	تا کہ رو کر ہو نہ حق سے ملتجی

[1] حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے بندے جب تو مجھے دل سے پکارتا ہے تو یہ صدا میری ہی ہوتی ہے اس لیے کہ وہاں میں ہی آیا ہوں اور جب تجھے رنج و غم پہنچتا ہے تو وہ میرے نامہ بر ہوتے ہیں اس لیے کہ انسان رنج و غم میں زیادہ عجز و انکساری سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔

[2] ذکر و فکر کی توفیق بھی میں نے ہی دی ہے دراصل کسی شخص کو عبادت کی توفیق ہونا اللہ کی جانب سے قبولیت کی دلیل ہے یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ اپنی یاد میں مصروف رکھتا ہے۔

[3] دعا گو کا ایک بار یا رب کہنا اللہ کی جانب سے بارہا لبیک بن جاتا ہے۔

[4] فرعون کو عمر بھر کوئی درد نہیں ہوا تا کہ حق تعالیٰ سے وہ عاجزی کے ساتھ دعا گو نہ ہو، لہٰذا وہ دعا کی نعمت عظمیٰ سے محروم رہا، جب دعا صدق دل اور پورے خلوص سے کی جائے تو انسان کا براہ راست ذات باری سے رابطہ ہوتا ہے اور وہ اس سے بلاواسطہ رحمت کا طالب ہوتا ہے۔

داد اُو را جملہ ملکِ ایں جہاں   اُس کو دیں سارے جہاں کی نعمتیں
حق نداوش درد و رنج و اندہاں   پہ نہ بخشے رنج و غم اور زحمتیں

درد آمد بہتر از ملک جہاں   نعمتوں سے درد و غم ہیں خوبتر
تا بخوانی مر خدا را در نہاں   تا کہ تو رب کو پکارے رات بھر

زانکہ درد و رنج و بار اُندہاں   بارِ غم درد و الم اس دہر کے
شد نصیب دوستانش در جہاں   ہیں خدا کے دستوں کے واسطے

خواندنِ بے درد از افسردگی ست   غم سے خالی ہو دعا تو بے مزا
خواندنِ با درد ازدل بردگی ست   اور پُر غم التجا جانِ وفا

آں کشیدن زیرِ لب آواز را   وہ دبی آواز میں آہ و فغاں
یاد کردن مبد و آغاز را   ہے ثنائے خالق کون و مکاں

آں شدہ آواز صافی و حزیں   وہ صدا پہ درد ہے اور پہ اثر
کاے خدا اے مستغاث وائے معیں   اے خدا اے مہرباں اے کارگر

چوں سگ کہفے کہ ازمردار رست   کہف[1] کا کتا ہوا جب پاک ہیں
برسرِ خوانِ شہنشاہاں نشست   بادشاہوں کا ہوا وہ ہمنشیں

تا قیامت می خورد اُو پیش غار   تا قیامت وہ دہانے غار کے
آب رحمت عارفانہ بے تغار   بے پیالہ بادہ عرفاں پیئے

اے بسا سگ پوست کورا نام نیست   ہیں کئی بے نام گدڑی پوش بھی
لیک اندر پردہ اُو بے جام نیست   بے پیالہ جو نہیں ہوتے کبھی

۱ اصحاب کہف کے کتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ جب وہ اصحاب کہف جیسے پاکبازوں کا وفادار ساتھی رہا تو اُسے بلند مقام حاصل ہوا اور وہ تا قیامت بغیر پیالے کے آب رحمت پیتا رہے گا۔
۲ کئی اہل اللہ گمنام زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن در پردہ وہ جام عرفاں کے بغیر نہیں۔

جاں بدہ از بہرآں جام اے پسر   جان ایسے جام پہ قربان کر
بے جہاد و صبر کے باشد ظفر   صبرو کوشش سے ہی پائے گا ثمر

صبر کردن بہر ایں نبود حرج   اس لے کی خاطر صبر کرنا کارساز
صبر کن کالصبرا مفتاح الفرج   صبر کر کہ صبر ہے خوشیوں کا راز

لے بادہ عرفاں حاصل کرنے کے لیے مجاہدے اور صبر و سخت کوشش کی ضرورت ہے، یاد رہے صبر ہی کامیابی کا راز ہے۔

محبت کے طفیل

از محبت تلخہا شیریں شود تلخ[1] بھی شیریں محبت کے طفیل
از محبت مسہا زریں شود مِس بھی ہو زریں محبت کے طفیل

از محبت دُردہا صافی شود تلچھٹیں فرحاں محبت کے طفیل
از محبت دردہا شافی شود درد بھی درماں محبت کے طفیل

از محبت خار ہا گل می شود خار بھی غنچے محبت کے طفیل
وز محبت سرکہ ہا مل می شود اور سرکہ مے محبت کے طفیل

از محبت دار تختے می شود دار تختِ شہ محبت کے طفیل
وز محبت بار بختے می شود بوجھ زادِ رہ محبت کے طفیل

از محبت نار نورے می شود آگ نور افشاں محبت کے طفیل
محبت دیو حورے می شود دیو ہوں خوباں محبت کے طفیل

از محبت سنگ روغن می شود سنگ ہو مایا محبت کے طفیل
وز محبت موم آہن می شود موم ہو لوہا محبت کے طفیل

از محبت حزن شادی می شود غم بنے شادی محبت کے طفیل
وز محبت غول ہادی می شود بھوت ہو ہادی محبت کے طفیل

از محبت نیش نوشے می شود زہر ہو زم زم محبت کے طفیل
وز محبت شیر موشے می شود موش[2] ہو ضیغم محبت کے طفیل

[1] ان اشعار میں مولانا عشق حقیقی کی بدولت خوشگوار نتائج حاصل ہونے کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر محبت سچی ہو تو مضر اشیا بھی مفید بن جاتی ہیں۔ [2] محبت سچی اور حقیقی ہو تو وہ انسان کو ہمت و حوصلہ اور صبر و استقامت عطا کرتی ہے قہر رحمت بن جاتا ہے اور کانٹا پھول اس لیے کہ محبوب کا قہر اپنائیت کا نتیجہ ہوتا ہے اور اس سے دل کو چبھن محسوس ہو تو وہ محبوب کی یاد کو پھول کی طرح تازہ رکھنے کا سبب ہوتی ہے۔

از محبت سقم صحت می شود   رنج ہو صحت محبت کے طفیل
وز محبت قہر رحمت می شود   قہر بھی رحمت محبت کے طفیل

از محبت خار سوسن می شود   خار بھی سوسن محبت کے طفیل
وز محبت خانہ روشن می شود   گھر بھی ہو روشن محبت کے طفیل

از محبت مردہ زندہ می شود   مردہ ہو زندہ محبت کے طفیل
وز محبت شاہ بندہ می شود   شاہ ہو بندہ محبت کے طفیل

ایں محبت ہم نتیجہ دانش است   ہے[1] محبت عقلِ کامل کی عطا
کے گزافہ برچنیں تختے نشست   اہل ہے ناقص کہاں اس تخت کا

دانشِ ناقص کجا ایں عشق زاد   عقلِ[2] ناقص عشق سے محروم ہے
عشق زاید ناقص اما بر جماد   عشق اس کا سنگ سے مفہوم ہے

بر جمادے رنگِ مطلوبے چو دید   رنگ دیکھا سنگ پر محبوب کا
از صفیرے بانگِ محبوبے شنید   نقل سے صد حیف دھوکا کھا گیا

دانشِ ناقص نداند فرق را   عقلِ[3] ناقص فرق کر سکتی نہیں
لاجرم خورشید داند برق را   برق کو جانے ہے وہ مہر مبیں

نقصِ عقلست آنکہ بد رنجوریست   عقلِ ناقص ہے یہ رنجوری تری
موجبِ لعنت سزائے دوریست   وجہ لعنت ہے یہ رکھو دور ہی

کفرِ فرعونے وہر گبرِ عنید   گبر اور فرعون کی بے راہ روی
جملہ از نقصانِ عقل آمد پدید   سچ ہے پیدا عقلِ ناقص سے ہوئی

۱ حقیقی محبت عقلِ کامل سے ہی حاصل ہوتی ہے اگرچہ عقلِ ناقص بھی محبت پیدا کرتی ہے لیکن غیر حقیقی محبوب کے ساتھ۔
۲ عقلِ ناقص غیر حقیقی محبوب کا حسن و جمال دیکھ کر اسے حقیقی سمجھ کر اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے بالکل اس طرح جیسے شکاری کی سیٹی کو پرندے اپنے ہم جنس کی آواز سمجھ کر دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ ۳ عقلِ ناقص فانی کو باقی سمجھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتی ہے۔

دِل

تو ولا منظورِ حق آنگہ شوی   ہو گے[1] تم مطلوبِ حق جب دہر سے
کو چو جزوے سوئے کُلِ خود روی   جزو کی مانند کُل سے جا ملے

حق ہمی گوید نظر ماں بر دل ست   "تیرے[2] دل پہ ہے نظر" حق نے کہا
نیست بر صورت کہ آں آب وگِل ست   "آب و گِل کی شکل سے کیا واسطہ"

تو ہمی گوئی مرا دل نیز ہست   میں[3] بھی دل رکھتا ہوں دعویٰ ہے تجھے
دل فرازِ عرش باشد نے بہ پست   عرش پہ رہ واسطہ کیا فرش سے

در دل تیرہ یقیں ہم آب ہست   ہے سیاہ کیچڑ میں بھی پانی مگر
لیک ازاں آبت نشاید آب دست   ایسے پانی سے وضو ہے بے اثر

زانکہ گر آب ست مغلوبِ گِل ست   گو وہ پانی ہے مگر مغلوبِ گِل
پس دلِ خودرا مگو کایں ہم دل ست   پھر[4] تو اپنے دل کو کیوں کہتا ہے دِلا

آں دلے کز آسمانہا برتر ست   آسمانوں سے بلند تر ہے جو دل
آں دلِ ابدال یا پیغمبر ست   اولیاء کا انبیاء کا ہے وہ دل

پاک گشتہ آں ز گِل صافی شدہ   خاک اور مٹی سے ہے وہ صاف وپاک
در فزونی آمدہ وافی شدہ   رفعتیں پا کر ہوا ہے تابناک

[1] انسان اسی وقت مطلوبِ حق بن سکتا ہے جب وہ اس کا ہو کر رہ جائے۔
[2] جسم خاکی سے کیا واسطہ میرا تعلق تو تمہارے دل سے ہے۔
[3] دل رکھنے کا دعویٰ تو ہر کسی کو ہے لیکن درحقیقت دل تو وہ ہے جو دنیاوی خواہشات سے پاک عشقِ خداوندی سے مالا مال ہو۔
[4] مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح گدلے پانی سے وضو نہیں کیا جا سکتا اسی طرح وہ دل جو دنیاوی حرص و ہوس میں مبتلا ہو دل کہلانے کا مستحق نہیں۔

ترکِ گِل کردہ سوئے بحر آمدہ خاک ۱؎ سے دامن چھڑا کر دیکھنا
رُستہ از زندانِ گِلِ بحرے شدہ بحر میں کھو کر وسیع تر ہو گیا

آبِ ما محبوسِ گِل ماندست ہیں میں ۲؎ ہوں کیچڑ میں ملا پانی مگر
بحرِ رحمت جذب کن ما رازطیں بحرِ رحمت اپنے اندر جذب کر

بحر گوید من ترا در خود کشم بحر ۳؎ بولا "جذب تو کر لوں مگر
لیک می لافی کہ من آبِ خوشم تو بہت نازاں ہے اپنے آپ پر"

لافِ تو محروم میدارد ترا ترک کر انداز فخر وناز کا
ترک آں پندار کن درمن در آ چھوڑ خود بینی مرے اندر سما

سرکشیدی تو کہ من صاحب دلم اہل ۴؎ دل ہونے پہ تو نازاں ہوا
حاجتے غیرے ندارم واصلم حق رسیدہ ہوں مجھے اوروں سے کیا

دل تو ایں آلودہ را پند اشتی دل سمجھتے ہو دل ناپاک کو
لا جرم دل ز اہل دل برداشتی اس لئے برگشتہ اہل دل سے ہو

خود روا داری کہ آں دل باشد ایں اس ۵؎ دل ناداں کی حیثیت ہے کیا
کہ بود در عشقِ شیرو انگبیں جو ہے دودھ اور شہد پہ ہر دم فدا

آں دلے کو عاشقِ مال ست وجاہ دل ۶؎ کہ جو شیدا ہو جاہ ومال کا
یا زبونِ ایں گِل و آبِ سیاہ یا ہو اس دنیا کے غم میں مبتلا

۱؎ جب کسی کا دل عالم آب وخاک کی آلائشوں سے دامن چھڑا لیتا ہے تو وہ بحر وحدت میں گم ہو کر لا متناہی وسعت کا حامل ہو جاتا ہے۔
۲؎ اب مولانا رب ذوالجلال کے حضور مناجات کرتے ہیں کہ میں گدلے پانی کی طرح ناپاک ہوں، اے بحرِ رحمت مجھے اپنے اندر جذب کر لے۔
۳؎ بحرِ حق سے جواب ملتا ہے کہ جب تو نے اپنی خود بینی سے نجات حاصل کر لی تو پھر میرے اندر جذب ہونے کی اہلیت حاصل ہوگی۔
۴؎ تم اپنے آپ کو اہل سمجھتے ہو بالکل اس طرح جیسے کیچڑ کا پانی اپنے آپ کو پاک اور صاف سمجھتا ہے۔
۵؎ تم خود انصاف کرو کہ وہ دل جو دنیاوی لذتوں کا عاشق ہو کیا دل کہلانے کے قابل ہے۔
۶؎ حقیقی دل تو خود ازلی اور دائمی لذت کا حامل ہوتا ہے پھر ایسا دل جو عالم ناسوت کی چیزوں سے لذت حاصل کرتا ہو اصلی اور حقیقی دل کیوں کر کہلا سکتا ہے۔

یا خیالاتے کہ در ظلمات اُو　　یا وہ اپنی خواہشوں کا ہو غلام
می پرستد شاں برائے گفتگو　　اُس کو دل کہنا ہے لاحاصل کلام

دل نہ باشد غیر آں دریائے نور　　دل ہی کیا جو نور کا دریا نہ ہو
دل نظر گاہِ خدا وانگاہ کور　　نورِ حق سے روشن و بینا نہ ہو

نے دل اندر صد ہزاراں خاص وعام　　ہر بنی نوع اہلِ دل ہوتا نہیں
دریکے باشد کدامست آں کدام　　خاص بندوں کیلئے ہے یہ نگیں

ریزہ دل را بہل دل را بجو　　اہل دل کو ڈھونڈ اُن سے دل لگا
تاشود آں ریزہ چو کوہے اُزُو　　تیرا دل ذرہ ہے کوہ بن جائے گا

دل محیط ست اندریں خطہ وجود　　اہل دل کا دل ہے بحر بیکراں
زرہمی افشاند از احساں وجود　　بخشش وانعام کا آب رواں

از سلامِ حق سلامتہا نثار　　حق نے کیں جو رحمتیں اُن کو عطا
میکند بر اہلِ عالم ز اختیار　　بخشتے ہیں اہلِ دنیا کو سدا

ہر کرا دامن درست ست ومُعد　　جس [1] کا بھی دامانِ دل ہو استوار
آں نثارِ دل بر آنکس میرسد　　بخشش وانعام پائے گا ہزار

[1] اللہ تعالیٰ اولیائے کرام کو رحمتوں اور بخششوں سے نوازتا ہے جو وہ لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں، جس شخص کا دامن دل وسیع اور مضبوط ہوگا وہ الیاء کی برکتوں سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکے گا۔

طلبیدنِ فتح مکہ پیغمبرؐ را جہت دوستی ملکِ دُنیا

نبود چونکہ فرمود اَلدّنیا جِیفَته وَطالِبُهَا کِلابُ

بلکہ بامر خدا بود

فتح مکہ کی طلب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دنیا کے لئے نہ تھی اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دنیا مُردار ہے اور اس کے طلبگار کتے ہیں" بلکہ خدا کے حکم سے تھیں۔

جہد پیغمبر بفتح مکہ ہم   فتح مکہ کے لئے جہد نبیؐ
کے بود در حبِ دنیا متہم   چاہتِ دنیا سے آلودہ نہ تھی

آنکہ اُو از مخزنِ ہفت آسماں   جس نے روزِ امتحاں [1] افلاک پہ
چشمِ دل بربست روزِ امتحاں   سب خزانوں سے کیا صرفِ نظر

از پئے نظارۂ اُو حور و جاں   جس کے اک جلوہ کی خاطر حور و جاں
پُر شدہ آفاقِ ہر ہفت آسماں   منتظر تھے آسماں در آسماں

قدسیاں افتادہ بر خاکِ رہش   عرشیوں کو جس کی گردِ رہ سے پیار
صد چو یوسف او فتادہ در چہش   مثلِ یوسف سینکڑوں جس پہ نثار

خویشتن آراستہ از بہر اُو   اُن کی [2] خاطر سب ہوئے آراستہ
خود وِرا پروائے غیر دوست کو   اُن کو تھا لیکن خدا سے واسطہ

آں چناں پُر گشتہ از اجلالِ حق   تھے وہ اُس اجلالِ حق سے فیضیاب
کاندرو ہم رہ نیابد آلِ حق   انبیاء بھی جس کی لا سکتے نہ تاب

[1] معراج پر جب حضورؐ تشریف لے گئے تو آپ نے صرف ذاتِ باری اور انوارِ حق پر توجہ مرکوز کی اور عرش کی کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔

[2] عرش پر حور و ملائک حضورؐ کی آمد کے وقت پورے ذوق و شوق سے منتظر تھے لیکن حضورؐ کی نگاہِ شوق صرف جلوۂ خداوندی کی متلاشی تھی۔

لَا يَسَعُ فِيْنَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ　　کوئی بھی[1] مجھ میں سما سکتا نہیں
وَ الْمَلَكْ وَالرُّوحُ اَيْضًا فَا عْقِلُوْ　　جز خدا کے ہوں ملک یا مرسلیں

گفت مازاغیم وبچوں زاغ نے　　میں یہ[2] نہیں ہوں زاغ میں مازاغ ہوں
مست صبّا غیم و مست باغ نے　　رنگ کیا ہے عاشق صباغ[3] ہوں

چونکہ مخزنہائے افلاک و عقول　　دولتِ افلاک یا روح نفس
چوں خسے آمد بر چشمِ رسول　　تھے نگاہِ مصطفٰے میں خار و خس

پس چہ باشد مکہ و شام و عراق　　ہیں بھلا کیا مکہ و شام و عراق
کہ نماید او نبرد و اشتیاق　　ہو نبیؐ کے دل میں جن کا اشتیاق

آں گماں وظن منافق رازوذ　　خواہش ہے[4] دنیا منافق کا نشاں
کو قیاس از جہل و حرصِ خود کند　　اس کی پستی سے جنم لے یہ گماں

آبگینہ زرد چوں سازی نقاب　　زرد شیشے کا ہو گر تیرا نقاب
زرد بینی جملہ نورِ آفتاب　　زرد ہی دیکھو گے نورِ آفتاب

بشکن شیشہ کبود و زرد را　　زرد[5] و نیلے آبگینے توڑ دو
تاشناسی گرد را و مرد را　　تا کہ گرد و مرد کی پہچان ہو

گردِ فارس گرد سرافراشتہ　　چھپ گیا ہے گرد میں وہ شہسوار
گرد را تو مردِ حق پنداشتہ　　گرد کو ناداں نہ سمجھو شہسوار

1. حدیث شریف ہے "لی وقت لا یسعنی فیہ غیر ربی" میرے لیے ایک ایسا وقت آتا ہے جب میرے اندر سوائے میرے رب کے کسی کی گنجائش نہیں ہوتی۔
2. سورہ نجم میں ہے مازاغ البصر وما طغیٰ یعنی دیدِ الٰہی کے وقت حضورؐ کی نظر اِدھر اُدھر نہیں ہوئی۔
3. صباغ، رنگنے والا، یہاں اشارہ قرآن پاک کی اس آیت کی طرف ہے جس میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں "صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ" یعنی خدا کا رنگ اور خدا سے بہتر رنگنے والا کون ہے؟
4. خواہش دنیا منافق کی پہچان ہے اور وہی اس طرح کی بات سوچ سکتا ہے۔
5. اپنی آنکھوں کو حرص وہوس کی آلودگی سے پاک کرو تا کہ تم نیک وبد کی پہچان کر سکو۔

گرد دید ابلیس و گفت ایں فرع طیں　　دیکھ [1] کر مٹی کو شیطان نے کہا
چوں فزاید بر منِ آتش جبیں　　میں ہوں آتش مجھ سے یہ بہتر ہے کیا

تا تو وی بنی عزیزاں را بشر　　مقبلان [2] حق کو سمجھے ہو بشر
واں کہ میراث بلیس ست آں نظر　　ہے تری نظروں پہ شیطان کا اثر

گر نہ فرزند بلیسی اے عنید　　گر نہیں ہے تجھ میں خو شیطان کی
پس بتو میراثِ آں سگ چوں رسید　　تجھ سے کیوں آتی ہے بو شیطان کی

من نیم سگ شیر حقم حق پرست　　سگ نہیں ہوں شیر حق ہوں حق پرست
شیر حق آنست کز صورت برست　　شیر حق ہوتا ہے کب تا حق پرست

شیر دنیا جوید اشکارے و برگ　　شیر دنیا کی طلب ہے بار و برگ
شیر مولیٰ جوید آزادی و مرگ　　شیر حق کی صرف آزادی و مرگ

چونکہ اندر مرگ بیند صد وجود　　موت میں سو جان نو پاتا ہے وہ
ہمچو پروانہ بسوزاند وجود　　صورت پروانہ جل جاتا ہے وہ

ہمچنانکہ آرزوئے سود ہست　　دل میں [3] ہے گر سیم و زر کی آرزو
آرزوئے مرگ بردن زاں بہ است　　موت اس سے خوب تر کی آرزو

[1] مٹی سے آدم کو تخلیق کرنے کے بعد جب حق تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ اس کے سامنے سر بسجود ہو جاؤ تو شیطان نے کہا یہ مٹی کا بنا ہوا ہے اور میں آگ سے پھر اس کے سامنے میں کس طرح سر جھکا سکتا ہوں۔

[2] قرآن کریم میں کفار کا مقولہ منقول ہے۔ ان انتم الا بشر مثلنا یعنی تم صرف ہم جیسے انسان ہو یعنی محض ظاہر کو دیکھنا اور باطنی فضائل پر نظر نہ رکھنا۔

[3] اگر تیرے دل میں مال و دولت کی تمنا ہے تو اس سے بہتر موت کی آرزو ہے اس لیے کہ سیم و زر سے زندگی کو طول نہیں دیا جا سکتا جب کہ موت سے انسان حیات ابدی پاتا ہے۔

قصہ خیو انداختن خصم در روئے امیر المومنین حضرت علیؓ
و انداختن حضرت امیر المومنین شمشیر از دست

"حضرت امیر المومنین حضرت علیؓ کے منہ پر ایک دشمن کے تھوک دینے کا قصہ اور امیر المومنین کا ہاتھ سے تلوار پھینک دینا"

از علیؓ آموز اخلاصِ عمل   آ علیؓ سے سیکھ اخلاصِ عمل
شیرِ حق را داں منزّہ از دَغل   پاک ہے شیرِ خدا اور بے دغل[۱]

در غزا بر پہلوانے دست یافت   جنگ میں اک پہلواں کو جا لیا
زود شمشیرے بر آورد و شتافت   کھینچ کر شمشیر جب حملہ کیا

اُو خیو انداخت بر روئے علی   اُس نے تھوکا اُن کے روئے پاک پر
افتخارِ ہر نبی و ہر ولی   جو تھا وجہِ افتخارِ ہر بشر

اُو خیو زد بر رُخے کہ روئے ماہ   وہ رخِ تاباں کہ جس کی جلوہ گاہ
سجدہ آرد پیشِ اُو در سجدہ گاہ   ماہِ کامل کے لیے ہے سجدہ گاہ

افتخارِ ہر ولی و ہر صفی   افتخارِ اولیاء اہلِ صفا
کرد نارِ غیض بر خود منطفی   آگ غصے کی بجھا کر برملا

در زماں انداخت شمشیر آں علیؓ   رک گئے تلوار کو پھینکا وہیں
کرد اُو اندر غزایش کاہلی   بچ گیا مردار ہونے سے لعیں

گشت حیراں آں مبارز زیں عمل   وہ بہت حیراں ہوا اس کام سے
در نمودن عفو و رحمت بے محل   بے محل بخشش کے اس اقدام سے

۱ بے دغل یعنی کھوٹ سے پاک

گفت بر من تیغ تیز افراشتی   اور پوچھا کھینچ کر تلوار کیوں
از چہ افگندی مرا بگذاشتی   پھینک دی آساں تھا گرچہ میرا خوں

آنچہ دیدی بہتر از پیکار من   یوں لڑائی ترک کی کیا دیکھ کر
تا شدی تو سست در اشکارِ من   لی نہ میری زندگی کیا دیکھ کر

آنچہ دیدی کہ چنیں خشمت نشست   آگ غصے کی بجھی کیا دیکھ کر
تا چنیں برقے نمود و باز جست   برق چمکی اور چھپی کیا دیکھ کر

آنچہ دیدی کہ مرا زاں عکس دید   ہو گیا[۱] مجھ پہ اثر کیا دیکھ کر
در دل و جاں شعلۂ آمد پدید   شعلہ زن ہوں سر بسر کیا دیکھ کر

آنچہ دیدی بر تر از کون و مکاں   برتر[۲] از کون و مکاں کیا دیکھ کر
کو بہ از جاں بود و بخشیدیم جاں   بخشش دی ہے میری جاں کیا دیکھ کر

در شجاعت شیرِ ربانیتی   ہاں شجاعت میں ہے تو شیر خدا
در مروت خود کہ داند کیستی   اور مروّت میں نہیں ثانی ترا

در مروت ابرِ موسائی بہ تیہ   تو مروّت[۳] میں ہے ابر موسوی
کامد ازوے خوان نانِ بے شبیہ   جو تیہ پہ لایا خوانِ نعمتی

اے علیؓ کہ جملہ عقل و دیدۂ   اے علیؓ اے عقل کُل اے دیدہ ور
شمۂ وا گو ازاں چہ دیدۂ   کچھ تو بتلا رُک گئے کیا دیکھ کر

تیغ علمت جان مارا چاک کرد   تو نے[۴] مارا مجھ کو تیغ حلم سے
آب علمت خاک مارا پاک کرد   اور کیا پاکیزہ آب علم سے

[۱] کافر نے حضرت علیؓ کا یہ حیران کن مشفقانہ عمل دیکھ کر کہا آپ کے اس عمل سے میرے اندر بجلی کی لہر دوڑ گئی ہے۔
[۲] اے علیؓ آپ نے دو جہاں سے ارفع و اعلیٰ ایسا کیا کرشمہ دیکھا کہ میری جان بخش دی۔
[۳] وہ بیابان جہاں حضرت موسیٰ کی قوم پہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ابر بھی برسا اور من و سلویٰ بھی اترا۔
[۴] میری گستاخی کے جواب میں تو نے صبر و بردباری سے کام لے کر مجھے بے تیغ قتل کر دیا اور اپنے علم کی بدولت مجھے پاک کر دیا۔

باز گو دانم کہ ایں اسرار ہوست   ہاں[1] بتا کیا یہ نہیں اسرار ہُو
زانکہ بے شمشیر کشتن کارِ اُوست   قتل کرنا بے سناں ہے کارِ ہُو

صانع بے آلت و بے جارحہ   اُس[2] کو کچھ حاجت نہیں اوزار کی
واہب ایں ہدیہ ہائے رائحہ   جو عطا کرتا ہے تحفے قیمتی

صد ہزاراں روح بخشد ہوش را   بخشتا ہے ہوش کو جانیں کئی
کہ خبر نبود دو چشم و گوش را   بے خبر ہوں جن سے چشم و گوش بھی

باز گو اے شاہ بازِ خوش شکار   ہاں بتا شہبازِ عرش و خوش شکار
تاچہ دیدی ایں زماں از کردگار   اِس گھڑی حق سے ہوا کیا آشکار

چشم تو اسرارِ غیب آموختہ   غیب کے اسرار ہیں تجھ پہ عیاں
چشمہائے حاضراں بردوختہ   جو ہیں اوروں کی نگاہوں سے نہاں

راز بکشا اے علی مرتضیٰؑ   راز کیا ہے اے علیِؑ مرتضیٰؑ
اے پس[3] سوءِ القضا حُسن القضا   تیرے دم سے ٹل گئی میری قضا

یا تو واگو آنچہ غفلت یافت است   یا تو خود اس راز کو کیجئے عیاں
یا بگویم آنچہ برمن تافت ست   یا جو میں نے دی کھا کر دوں وہ بیاں

چوں تو بابی آں مدینہ علم را   آپ[4] دروازہ ہیں شہرِ علم کا
چوں شعاعی آفتابِ حلم را   نورِ تاباں آفتابِ حلم کا

باز باش اے باب رحمت تا ابد   اے درِ رحمت کھلا رہ تا ابد
بارگاہِ مَا لَہٗ کُفُواً اَحَد   بارگاہِ پاک میں جو ہے اَحَد

1 بلاشبہ یہ کام دستِ غیب کا ہے۔ 2 اب مولانا قادرِ مطلق کی قدرت کاملہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خدائے ذوالجلال جب چاہے جو چاہے عطا کرتا ہے۔ 3 سوء القضا یعنی بدقسمتی قتل کا ارادہ اور حسن القضا یعنی خوش نصیبی معاف کرنے کا عمل۔
4 حضورؐ کی اس حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے جس میں آپؐ نے فرمایا: انا مدینۃ العلم و علیٌ بابہا" اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔

ہر ہوا وذرّہ خود منظرے ست　　ذرّہ ۱ ذرّہ سے ہے وہ جلوہ نما
ناکشادہ کے بُود کانجا درے ست　　ہو جہاں در وہ سدا رہتا ہے وا

تانہ بکشاید درے را دیدباں　　کوئی کامل جب تلک کھولے نہ در
در دروں ہرگز نہ جنبد ایں گماں　　یہ گماں دل پہ نہیں کرتا اثر

چوں کشادہ شد درے حیراں شود　　در ۲ کھلا تو وہ بہت حیراں ہوا
مرغِ امید و طمع پرّاں شود　　ذوقِ جلوہ بڑھ گیا چنداں ہوا

پس بگفت آں نو مسلمانِ ولی　　پھر علیؓ سے نو مسلماں نے کہا
از سرِ مستی و لذت با علیؓ　　تھا عجب مستی میں جو ڈوبا ہوا

کہ بفرما یا امیر المومنین　　کچھ تو کہہ تو اے امیر المومنین
تا بجنبد جاں بہ تن ہمچو جنیں　　تن میں جاں رقصاں ہو مانند ۳ جنیں

باز گو اے بازِ پر افروختہ　　کچھ تو کہہ اے شاہبازِ پُر فشاں
باشہ و باساعدش آموختہ　　شاہؐ کا بازو ہے تیرا آشیاں

باز گو اے بازِ عنقا گیرِ شاہ　　کچھ تو کہہ اے شہ کے عنقا گیر باز
اے سپاہ اشکن بخود نے باسپاہ　　تو کہ تنہا بے سپہ ہے فتح ساز

امت وحدی یکے و صد ہزار　　اُمت ۵ واحد بھی تو افراد بھی
باز گو اے بندہ بازت راشکار　　پُر مسرت ہے تری بیداد بھی

در محل قہر ایں رحمت زچیست　　قہر کے بدلے عطا ہے کس کا کام
اژدہا را راہ دادن راہِ کیست　　اژدھا کو چھوڑنا ہے کس کا کام

۱ ہر ذرہ میں مشاہدہ حق ہو سکتا ہے لیکن اُسے دیکھنے کے لیے چشم بینا کی ضرورت ہے جو اہل دل کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے جلوہ خدا کا در تو سدا کھلا رہتا ہے صرف اس تک رسائی کی ضرورت ہے۔ ۲ جب مشاہدہ حق کرنے والے پر جلوۂ خداوندی کا در کھلتا ہے تو اس کے ذوق جمال میں اضافہ ہوتا ہے۔ ۳ وہ بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہو۔ ۴ حضرت علیؓ کے قرب الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ ۵ قرآن پاک میں حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ارشاد ہے کہ وہ تنہا ایک قوم تھے۔

جواب دادن امیر المومنین

(امیر المومنین کا جواب دینا)

گفت من تیغ از پئے حق می زنم — بہر حق ہوں تیغ زن بولے علیؓ
بندہ حقم نہ مامورِ تنم — شیر[1] حق ہوں میں نہیں تن کا ولی

شیر حقم نیستم شیر ہوا — شیر حق ہوں شیرک نفسانی نہیں
فعل من بر دینِ من باشد گوا — ہر عمل ہے مظہرِ دین و یقیں

رختِ خود را من زرہ بر داختم — مال و دولت سے محبت ترک کی
غیرِ حق را من عدم انگاشتم — ذاتِ حق کے ما سوا فانی سبھی

سایہ ام مَن کے جدا ام ز آفتاب — سایہ[2] سورج سے جدا ہوتا نہیں
حاجبم من نیستم او را حجاب — میں ہوں درباں حسن کا پردہ نہیں

من چو تیغم پُر گہر ہائے وصال — میں ہوں وہ شمشیر جو بخشے اماں
زندہ گردانم نہ کشتہ در قتال — جان کب لیتا ہوں میں دیتا ہوں جاں

کہ نیم کو ہم ز صبر و حلم و داد — کوہ[3] صبر و حلم ہوں میں کاہ نہیں
کوہ را کے در رُباید تند باد — آندھیوں سے کوہ ہلتے ہیں کہیں

آنکہ از بادے رود از جا خسے ست — وہ ہے تنکا لے اُڑے جس کو ہوا
زانکہ بادِ نا موافق خود بسے ست — ہیں مخالف آندھیاں بے انتہا

[1] میں خدا کے لیے جہاد کرتا ہوں تن یعنی دنیاوی خواہشات کی تکمیل کے لیے نہیں۔

[2] میں خدا کی رضا کا تابع ہوں جس طرح سایہ سورج کا تابع ہوتا ہے میں تو اللہ تعالیٰ کے دربار کا دربان ہوں (میرا کام تو دربار تک پہنچانا ہے) میں حق تعالیٰ تک رسائی کی راہ میں رکاوٹ نہیں۔

[3] میں صبر و تحمل کا کوہِ گراں ہوں۔ تنکا نہیں جو اڑ جاؤں یا جگہ سے ہل جاؤں۔

بادِ خشم و باد شہوت بادِ آز　　حرص کی شہوت کی غصے کی ہوا
بُرد او را کہ نہ بُود اہلِ نماز　　لے اُڑی اُس کو نہ تھا جو با خدا

بادِ حرص و باد کینہ بادِ آز　　حرص کی کینے کی لالچ کی ہوا
بُرد اورا کو نہ بُود اہلِ نیاز　　لے اُڑی اُس کو نہ تھا جو با وفا

بادِ کبر و بادِ عُجب و باد خشم　　کبر کی نخوت کی ذلت کی ہوا
بُرد اُورا کہ نبود از اہلِ علم　　لے اُڑی اُس کو نہ تھا جو با صفا

غرق نورم گرچہ سقفم شد خراب　　نور میں ہوں غرق گو تن ہے خراب
روضہ گشتم گرچہ ہستم بُو تراب　　خوشنما گلشن ہوں گو ہوں بو تراب[1]

چوں در آمد علتے اندر غزا　　جب غزا میں رونما علت ہوئی
تیغ را دیدم میاں کردن سزا　　تھا مناسب روک لوں تلوار بھی

تا اَحَبَّ للہ آید نام من　　عشق[2] بہر حق میری پہچان ہو
تا کہ اَبغَض للہ آید کامِ من　　بُغض بہر حق مرا ارمان ہو

تا کہ اَعطیٰ للہ آید جودِ من　　جو بھی دوں وہ راہِ حق میں دوں سدا
تا کہ اَمسَکَ للہ آید بودِ من　　گر نہ دوں تو وہ بھی ہو بہرِ خدا

بخل من للہ عطا للہ و بس　　بہر حق میں بخل و صدقہ بالیقیں
جملہ للہ ام نیم من آنِ کس　　ہوں اُسی کا غیر کا بندہ نہیں

زاجتہا و از تحری رُستہ ام　　اجتہاد و فکر سے آزاد ہوں
آستیں بر دامنِ حق بستہ ام　　تھام کر دامن خدا کا شاد ہوں

۱ بوتراب۔ مٹی والا، یہ حضرت علیؓ کا لقب تھا، ایک بار حضرت علیؓ گھر میں حضرت فاطمہؓ سے رنجیدہ ہو کر مسجد نبوی میں جا کر فرش پر لیٹ گئے، پسینہ آیا تو جسم فرش کی مٹی سے لتھ پتھ ہو گیا، آنحضورؐ کو معلوم ہوا تو حضور مسجد تشریف لے گئے اور محبت سے فرمایا" قُم یا ابا تراب" یعنی اے مٹی میں سنے ہوئے کھڑا ہو جا" اس روز سے حضرت علیؓ کا لقب بوتراب ہو گیا۔

۲ حدیث شریف ہے" من احب للہ و اعطی للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان" جس کسی نے محض اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے بغض کیا اور صرف اللہ کے لیے کسی کو دیا اور اللہ کے لیے نہ دیا اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا، یعنی ان کاموں میں اس کی ذاتی اغراض شامل نہ تھی۔

چونکہ خرّم خشم کے بندو مرا   مردِ حُر کیوں ہو گرفتارِ غضب
نیست اینجا جز صفاتِ حق درآ   آفراواں ہیں یہاں الطافِ رب

اندرآ کا زاد کردت فضلِ حق   آ کہ حق نے دی ہے آزادی تمہیں
زانکہ رحمت داشت بر خشمس سبق   چھا گئیں غیض و غضب پر رحمتیں

اندر آ اکنوں کہ رَستی از خطر   آ کہ اب خطروں سے ہے تو ماورا
سنگ بودی کیمیا کردت گہر   کیمیا [2] نے سنگ سے گوہر کیا

رُستہ از کفر و خارستان اُو   خارِ زارِ کفر سے پراں ہوئے
چو گلے بشگفتہ دربستانِ اُو   باغِ حق میں مثلِ گل خنداں ہوئے

تو منی و من تو ام اے محتشم   تو [3] ہوا میں ، میں ہوا تو مرحبا
تو علیؓ بودی علیؓ را چوں کشم   پھر علیؓ کیسے علیؓ کو مارتا

معصیت کردی بہ از ہر طاعتے   ہے اطاعت سے بھلی تیری خطا
آسماں پیمودۂ در ساعتے   ایک پل میں آسماں تھا زیرِ پا

اندرآ من در کشادم مر ترا   آ دریِ بخشش کیا ہے میں نے وا
تُف زدی و تحفہ دادم مر ترا   تو نے تھوکا میں نے اک تحفہ دیا

من جفاگر را چنیں ہاے دہم   میں [4] نے جب ظالم کو بخشا یہ مقام
پیش پاۓ حب چساں سر می نہم   عشق ہو گا کس قدر ذی احترام

پس وفا گر را چہا بخشم بداں   مخلصوں کو دوں گا کیا کیا نعمتیں
گنجہا و ملکہاۓ جاوداں   دائمی دولت خزانے راحتیں

۱ حدیث شریف ہے "ان رحمتی سبقت غضبی" بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔ ۲ حق تعالیٰ نے اپنے کرم سے تمھیں پتھر سے گوہر بنا دیا۔ ۳ تائب ہو کر اسلام قبول کرنے کے بعد تو اور میں ہم مشرب اور ہم مذہب ہو گئے ہیں پھر میں تمھیں کس طرح قتل کرتا۔ ۴ اگر میں ظلم کرنے والے کے ساتھ ایسا مشفقانہ سلوک کر سکتا ہوں تو پھر خود اندازہ کرو کہ محبت کرنے والوں کے ساتھ کس قدر مروت و شفقت کر سکتا ہوں۔

من چناں مردم کر بہ خوبیِ خویش   میں ہوں وہ مرد جری دشمن کے ساتھ
نوش لطف من نشد در قہر نیش   قہر کے بدلے کرے جو التفات

عشق

عاشقی پیداست از زاریِ دل   دل کی بیماری ہے چاہت کا نشاں
نیست بیماری چو بیماریِ دل   دل کی بیماری سی بیماری کہاں

علت عاشق زعلتہا جداست   عشق سب بیماریوں سے ہے جدا
عشق اصطرلاب[1] اسرارِ خداست   عشق ہے پیمانہ رمز خدا

عاشقی گرزیں سرو گرزاں سرست   عشق حق عشق مجازی جو بھی ہو
عاقبت مارا بداں شہ رہبر ست   سب کی منزل ہے وہی اللہ ہُو

ہر چہ[2] گویم عشق را شرح و بیاں   ماجرائے عشق ہو کیسے بیاں
چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں   عشق میں ہے ہر قدم پہ امتحاں

گرچہ تفسیر زباں روشنگرست   خوب[3] ہے گر کیجیے تفسیر بھی
ایک عشقِ بے زباں روشن ترست   بے زبانی ہی زباں ہے عشق کی

چوں قلم اندر نوشتن میشتافت   لکھ رہا تھا گو قلم سب ماجرا
چوں بعشق آمد قلم بہ خود شگافت   عشق کے احوال سے شق ہو گیا

چوں سخن در وصف ایں حالت رسید   لکھ رہا تھا جب قلم حال زار
ہم قلم بشکست وہم کاغذ درید   ہو گیا دو لخت کاغذ تار تار

[1] اصطرلاب ایک آلہ ہے جس سے اجسام فلکی کی گردش اور بلندی کی پیمائش کی جاتی ہے لہٰذا عشق صادق قرب الٰہی کا باعث ہوتا ہے اور یوں عاشق صادق کے لیے اسرار الٰہیہ سے آشنا ہونے کا ذریعہ بنتا ہے۔
[2] عشق ایک ایسی واردات قلبی ہے جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں، اس احساس کی تشریح بجائے خود ایک امتحان ہے۔
[3] اگرچہ عشق کی زبانی تفسیر و تشریح اس کی حقیقت کو روشن کرتی ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس جذبہ لطیف کو جامۂ الفاظ پہنانا ممکن نہیں۔

عقل در شرحش چو خر در گِل بخفت	عقل [1] کیا سمجھے گی رمز عاشقی
شرح عشق و عاشقی هم عشق گفت	عشق نے ہی عشق کی تشریح کی
عشق زنده در روان و در بَصَر	عشق [2] ہے اُس جاوداں کا جان جاں
هر دمے باشد ز غنچه تازه تر	جو ہے غنچے سے حسیں تر ہر زماں
عشق آں زنده گزیں کو باقی ست	جو سدا باقی ہے اُس سے عشق کر
وز شراب جانفزایت ساقی است	اُس کا جام عشق پی اے دیده وَر
عشق آں بگزیں که جمله انبیاء	جس کے عشق پاک سے ہے سب انبیاء
یافتند از عشق اُوکا روکیا	ہیں ابد تک سر بلند و خوش نوا

[1] عشق وعاشقی کے اسرار و رموز کو جاننا آسان نہیں۔ ان کی حقیقت سے وہی آشنا ہوگا جو خود عشق میں مبتلا ہو۔

[2] اُس قائم و دائم کا عشق ہر لحظہ قلب و نظر کو تازگی بخشتا ہے۔

مُضرّتِ تعظیمِ خلق و انگشت نما شدن

(لوگوں کی تعظیم اور شہرت کے مضر اثرات)

تن قفس شکل ست وزاں شد خارجاں   تن کا پنجرہ[1] خار ہے جاں کے لیے
از فریب و اخلان و خارجاں   ہے یہ نالاں ہر کسی کے مکر سے

اینش گوید من شوم ہمراز تو   یہ کہے[2] میں ترا ہمراز ہوں
وانش گوید نے منم انبازِ تو   وہ کہے میں ہی ترا دمساز ہوں

اینش گوید نیست چوں تو در وجود   یہ کہے کوئی نہیں تجھ سا یہاں
در کمال و فضل و در احسان وجود   علم میں فضل و کرم میں بے گماں

آنش گوید ہر دو عالم آنِ تست   وہ کہے تیرے ہیں یہ دونوں جہاں
جملہ جانہائے ما طفیلِ جانِ تست   تیرے ہی دم سے ہیں سارے انس و جاں

اینش گوید گاہِ عیش و خرمی   یہ کہے عیش و نمو کا وقت ہے
آنش گوید گاہِ نوش و ہمدمی   وہ کہے جام و سبو کا وقت ہے

اُوچو بیند خلق را سرمستِ خویش   دیکھ کر یہ ہیں سبھی اُس پہ فدا
از تکبر میرود از دستِ خویش   وہ تکبر کے نشے میں کھو گیا

اُو نداند کہ ہزاراں را چو اُو   کیا خبر تھی اس سے پہلے بیشمار
دیو افگندست اندر آبِ جُو   ہو چکے تھے مکرِ شیطاں کے شکار

[1] جسم انسانی خواہشات نفسانی کا باعث بنتا ہے اس لیے روح انسانی کے لیے باعث آزار ہوتا ہے۔
[2] انسان کو انسان ہی بے جا خوشامد اور تعریف سے گمراہ کرتا ہے۔

لطف وسالوس جہاں خوش لقمہ است   زندگی کی ہر ادا ہے خوش نما
کمترش خور کو پُر آتش لقمہ ایست   ہوش کر اس میں ہے دریا آگ کا

آتشش پنہاں وذوقش آشکار   ظاہر لے آ اچھی مگر آتش بجاں
دُود اُو ظاہر شود پایانِ کار   اک نہ اک دن اس سے اُٹھے گا دھواں

تو مگو تا مدح را من کے خرم   کب[1] خوشامد ہے کسی کو نا گوار
از طمع می گوید اُو من پے برم   گو نہ ہو اُ کا تاثر آشکار

مادحت گر ہجو گوید بر ملا   نکتہ چیں ہو برملا گر مدح گو
روز ہا سوزو لت زاں سوزہا   رنج سے آزردہ خاطر ہو گا تو

گرچہ دانی گو ز حرماں گفت آں   اُس[2] نے یہ سب بات مایوسی میں کی
کاں طمع کہ داشت از تو شدزیاں   بر نہ ئی تجھ سے جو امید تھی

آں اثر میماندت اندر دروں   دیر تک تجھ پہ رہے اس کا اثر
در مدیح[3] ایں حالتے ہست آزموں   دیرپا جیسے خوشامد کا اثر

آں اثر ہم روز ہا باقی بود   یہ اثر بھی دیر تک قائم رہے
مایہ کبر و خداع جاں شود   مکر کا کبر کا باعث بنے

نیک بنماید چو شیریں ست مدح   ہے خوشامد خوش مزا سب کو پسند
بد نماید زانکہ تلخ افتاد قدح   اور برائی تلخ ہے کیوں ہو پسند

۱ مدح سرائی سے انسان ابتدا میں خوش ہوتا ہے لیکن انجام کار تباہ و برباد ہوتا ہے۔

۲ بعض لوگ سوچتے ہیں کہ ان پر خوشامد کا کوئی اثر نہیں ہوتا مولانا اس بات کی تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خوشامد کا اثر ضرور ہوتا ہے تاہم بعض اوقات محسوس نہیں ہوتا لیکن یہ دل و دماغ میں سرایت کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس کے برے اثرات تکبر، غرور اور خوش فہمی اور خود بینی کی صورت میں نمایاں ہوتے ہیں۔

۳ اگر تمہارا تعریف کرنے والا کبھی تمہاری برائی کرے تو تم سمجھتے ہو کہ چونکہ تم نے اس کی کوئی آرزو پوری نہیں کی، اس لیے اس نے برائی کی ہے لیکن اس سوچ کے باوجود تم اس کی برائی سے متاثر ہوتے ہو اور یہ تاثر بھی خوشامد کے اثر کی طرح کافی دیرپا ہوتا ہے۔

نفس از بس مدحہا فرعون شد   نفس لے ہو تعریف سے فرعون خو
کن ذلیل النفس هوناً لا تسُد   چھوڑ سرداری کو بن جا خاک رُو

ناتوانی بندہ شو سلطان مباش   کچھ ہو بھی ہو خادم ہی بن سلطاں نہ بن
زخم کش چوں گوئے شو چوگاں مباش   گیند بن کر چوٹ کھا چوگاں نہ بن

1 انسان کا نفس تعریف سن کر فرعونیت میں مبتلا ہو جاتا ہے اس لیے بہتر ہے کہ سرداری کی خواہش کو ترک کر کے خاکسار و منکسر المزاج بن جائے کرسی نشین گر سکتا ہے لیکن فرش نشین کا اپنی نشست سے گرنے کا کوئی احتمال نہیں ہوتا۔
2 کچھ بھی ہو خدمت گزار بن اس عمل سے جو عزت حاصل ہوگی وہ سلطانی کی عزت سے زیادہ دیرپا ہوگی۔